حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا مفسر آیات قرآن

ڈاکٹر فرشتہ ندری ابیانہ (اسسٹنٹ پروفیسر بوعلی سینا یونی ورسٹی، ہمدان)

ترجمہ: سید حسنین عباس گردیزی*

hasnaingardezi@gmail.com

کلیدی کلمات: اسوہ حسنہ، قرآن، معرفتِ الٰہی، احکام کا فلسفہ

خلاصہ

عملی تعلیم وتربیت کا ایک طریقہ اطاعت اور اُسوہ پر عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تزکیہ اور تعلیم وتربیت کے لئے بھیجا اور انہیں انسانوں کے لئے عملی نمونہ قرار دیا۔ ان متعارف کرائے گئے عملی نمونوں کی پیروی اور اتباع تعمیری تقلید ہے اور اس کی بنیاد سوچ وفکر پر رکھی ہے۔ دین مبین اسلام دائمی راہنمائی وہدایت اور کردار کا تقاضا کرتا ہے تاکہ تمام زمانوں اور نسلوں میں بشری ضروریات اور تقاضوں کا مناسب جواب اور حل ہونا چاہیے۔ اس لحاظ سے معصومین علیہم السلام کے درمیان حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا جو کہ کوثر، مبارکہ اور منصورہ ہیں جو نہ صرف خیر کثیر، برکت اور نصرت خالص کی تجلی ہیں، بلکہ عورتوں کے لئے عملی نمونہ اور تمام نیک اور صالح افراد کے لئے اُسوہ ہیں۔ اگرچہ (کوثر کی طرح جو قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورہ ہے) ان کی عمر بھی بہت ہی کم تھی۔ معرفت الٰہی اور انسانی سعادت کے معیارات فاطمہ زہرا ؑ کی نگاہ میں کیا ہیں، انہیں کو بیان کرنا، اِس مقالے کا بنیادی مقصد ہے۔ انہوں نے اس حوالے سے چند چیزوں کو بنیاد قرار دیا ہے جو کہ یہ ہیں: دین اور امانت الٰہی کو قبول کرنا؛ آخری دین کو اختیار کرنا اور کتاب صامت اور ولی ناطق پر ایمان؛ شناخت قرآن؛ اپنے عقیدے اور ایمان اور احکام الٰہی کی حکمتوں کی تبیین وتشریح کی بنیاد پر دینی احکام پر عمل۔ وہ احکام جن کا فلسفہ وحکمت بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: نماز، روزہ، حج، عدل، اولی الامر کی اطاعت، جہاد، صبر، امر بہ معروف، والدین سے نیکی، صلہ رحم، قصاص، نذر کو پورا کرنا، ناپ تول کو پورا کرنا، شرابخوری کی ممانعت، قذف سے پرہیز، چوری نہ کرنا اور شرک سے اجتناب۔

تمہید

عملی تربیت میں انسان کو اُسوہ اور نمونہ عمل کی ضرورت

عملی تعلیم وتربیت کا ایک اہم ترین ذریعہ نمونہ عمل اور اُسوہ کی پیروی اور اُسے قبول کرنا ہے۔ انسان کی گفتار اور رفتار کو پیش نظر رکھنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ براہ راست تعلیم وتربیت سے زیادہ انسان دوسروں کے عمل وکردار سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور معاشرہ اس پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

بچہ اپنے والدین کے انداز اور طرز عمل سے سیکھتا ہے کہ کس طرح کھائے، کس طرح سوئے، کس طرح بات کرئے کس طرح لباس پہنے اور دوسروں سے کس طرح تعلق قائم کرئے۔ ابتدائی طالب علم اپنے استاد کی بات پر توجہ کرنے سے زیادہ وہ یہ غور کرتا ہے کہ اس کے استاد کا طرز عمل اور رویہ کیسا ہے۔ اس وقت علم وعمل کے درمیان مکمل تطبیق کر پاتا ہے اور ویسے کرتا ہے جو اس کا استاد چاہتا ہے۔

اس لحاظ سے بشر کی فطری ضروریات میں سے ایک عملی نمونہ اور اُسوہ کا ہونا ہے تمام اقوام عالم اور معاشروں میں مطلوبہ اہداف ومقاصد کے حصول کے لئے اور معاشرے کی تربیت کے لئے مناسب عملی نمونے اور آئیڈیل کا تعارف بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تعلیم وتربیت اور تزکیہ نفوس کے لئے مبعوث فرمایا ہے اس کے ساتھ ساتھ اُنہیں انسانوں کے لئے اُسوہ اور آئیڈیل بھی قرار دیا ہے۔ جیساکہ ارشاد ہوتا ہے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (1)

---

*۔ مدرس جامعۃ الرضا، مدیر اعلیٰ مجلّہ سہ ماہی نور معرفت، بارہ کہو، اسلام آباد

قرآن مجید نے اس آیت میں رسول خداﷺ کو بہترین نمونہ عمل اور آئیڈیل قرار دیا ہے۔ جن کی پیروی اور تبعیت کرکے مسلمانوں فلاح وکامیابی تک پہنچنے کے لئے دیگر اُمتوں کے لئے نمونہ بن سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: " كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ۔۔۔" (2)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید کے بارے میں آئیڈیل قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: " قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَاؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللهِ وَحْدَهُ ۔۔۔" (3)

اس بیان کی روشنی میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھی توحید پرستی میں استقامت اور ڈٹ جانے کے مسئلہ میں دوسروں کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ہیں؛ کیونکہ اُنہوں نے غیر خدا کی عبادت کرنے والوں سے برائت اور دوری اختیار کی اور ان کے اور کافروں کے درمیان ابدی دشمنی اور عداوت بن گئی ہے مگر یہ کہ وہ توحید کی طرف پلٹ آئیں۔

یہ پیروی اور تبعیت تعمیری تقلید کی قسم ہے اور اس کی بنیاد تفکر ہے۔ اس قسم کی پیروی انبیاء کی اصل رسالت کو قبول کرنے کے بعد جاہل کی عالم کی پیروی اور تبعیت کی بنیاد پر ہے جو کہ عقلائے عالم کے نزدیک قابل قبول ہے۔ یہ اس اندھی تقلید کے برخلاف ہے جو قابل مذمت اور نا قابل قبول ہے۔ اندھی تقلید سوچ وفکر کی راہ میں مانع ہوتی ہے اور اس لحاظ سے فرد اور معاشرے کی تباہی کے اسباب فراہم کرتی ہے اسی وجہ سے قران مجید نے ہوا و ہوس کی اتباع، متکبر اور جابر انسان کی پیروی اور آباواجداد اور ان کے دین کی جہالت پر مبنی تقلید سے منع کیا ہے اور اُسے مذموم شمار کیا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: " قُلْ هَلْ مِن شُرَكَآئِكُم مَّن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لاَّ يَهِدِّيَ إِلاَّ أَن يُهْدَى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ " (4)

صرف ذات الٰہی حق کی جانب ہدایت کرنے والی ہے؛ وہ شخص تبعیت اور پیروی کا زیادہ حق رکھتا ہے جو خود حق کی ہدایت پا چکا ہے نہ کہ وہ جو خود ہدایت کا محتاج ہے۔

قرآن کی دیگر آیات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں اور رسول خداﷺ جیسے نمونہ عمل اور آئیڈیل انسانوں کو متعارف کرانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ہدایت اور کمال کے راستوں کو طے کرسکیں۔ کیونکہ یہ عالی ترین نمونے لغزش سے دوچار نہیں ہوتے، جس کے نتیجے میں ان کے پیروکار بھی لغزشوں کا شکار نہیں ہوتے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمیں انہی کی پیروی اور اتباع کرنی چاہیے اور انہی کو اپنا نمونہ عمل اور آئیڈیل قرار دینا چاہیے جو راستے کو پہنچانتے ہیں اور خود راستہ طے کرچکے ہیں۔ بصورت دیگر ہم گمراہ ہو کر راستے سے بھٹک جائیں گے۔

طی این مرحلہ بی ہمرهی خضر مکن
ظلمات است بترس از خطر گمراهی۔ (5)

کامل انسان دیگر تمام انسانوں خواہ مرد ہوں یا عورت کے لئے نمونہ عمل ہیں، چنانچہ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے: " وَضَرَبَ اللهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۔ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ " (6)

ان آیات میں فرعون کی بیوی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم، تمام مومنین کے لئے بعنوان اُسوہ اور نمونہ عمل بیان کی گئی ہیں۔ فرعون کی بیوی آسیہ کو اس لحاظ سے نمونہ قرار دیا گیا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے فرعون اور ظالم قوم سے نجات پانے

کی درخواست کی اور دنیاوی نعمتوں کی بجائے بہشت کو طلب کیا۔ یہ امر جناب آسیہؑ کا آخرت پر یقین اور آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے کے مقام کا ثبوت اور علامت ہے۔ "وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى" (7)

حضرت مریم (سلام اللہ علیہا) کو اس لئے تمام مؤمنین کے لئے اُسوہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ طہارت و پاکیزگی، ایمان اور کلمات الٰہی اور کتب آسمانی کی تصدیق کے لحاظ سے اعلیٰ درجے پر فائز تھیں اور اللہ کی بارگاہ میں خضوع و خشوع کرنے والی اور سر تسلیم خم کرنے والی تھیں۔

یہ مثالیں اور نمونے اسلام کے ظہور اور نزول قرآن کے دور تک تھے۔ اس کے بعد انسانوں کی تربیت کے لئے حضرت رسول اکرم ﷺ اور اور ان کے اہل بیت کرامؑ کو بہترین اُسوہ قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض بزرگ ہستیاں مقام عصمت پر فائز ہیں، جن کی توصیف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے: "إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" (8) یعنی: بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول ﷺ کے اہل بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ (اور شک و نقص کی گرد تک) کو دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔

اگرچہ خاندان نبوت کے دیگر افراد کے معصوم ہونے کی تصریح نہیں کی گئی ہے، لیکن وہ تربیت یافتہ ہونے اور عصمت کے جاری چشمے سے اس قدر سیراب ہونے کی وجہ سے عصمت کے قریب ترین مقام تک پہنچ ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے انہیں انسانوں کی اعلیٰ تربیت کے لئے بعنوان اُسوہ اور نمونہ عمل انتخاب کیا گیا ہے۔

دین مبین اسلام ہمیشہ اور تا قیامت انسانوں کے لئے ہدایت کا راستہ ہے اس کا یہ ابدی کردار تقاضا کرتا ہے کہ تمام ادوار اور تمام نسلوں میں بشری ضروریات کو بطور احسن پورا کیا جائے۔ اب جبکہ نمونہ عمل اور اُسوہ کا ہونا بشر کی بنیادی ترین ضروریات میں سے ہے اس لئے اسلام نے ابدی اور دائمی نمونہ عمل ہستیاں متعارف کرائی ہیں تاکہ تمام انسان ان کی طرف دیکھیں اور ان سے درس لیں۔ یہ آئیڈیل اور عملی نمونے پہلے درجے میں معصومین علیہم السلام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دور میں ایک ابدی کردار پیش کیا ہے اور اس میں ممتاز قرار پائے ہیں اگرچہ یہ کردار زمانے کے اعتبار سے ایک مختصر مدت میں انجام پایا ہے، لیکن ارادہ الٰہی سے اتصال کی وجہ سے اس نے لازوال اور زندہ وجاوید اثر چھوڑا ہے۔

اس لحاظ سے معصومین علیہم السلام کے درمیان حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا جو کہ کوثر، مبارکہ اور منصورہ ہیں؛ اگرچہ ان کی دنیاوی حیات (قرآن کی سب سے چھوٹی سورۂ کوثر کی طرح) بہت ہی مختصر تھی، لیکن اس کے باوجود وہ نہ صرف خیر کثیر، برکت، نصرت اور حقیقت کی تجلی ہیں بلکہ تمام عورتوں کے لئے بالخصوص اور تمام نیک اور پاکباز افراد کے لئے نمونہ عمل ہیں۔

معاصرین اور متاخرین کی جانب سے ان کی عدم معرفت اور ان کی مظلومیت کی گواہ تاریخ ہے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے واضح اور روشن حق سے عمداً یا سہواً غفلت برتی گئی تھی، جسے بیان کرتے ہوئے اُنہیں یہ کہنا پڑا "اِعْلَمُوْا انِی فاطمة: جان لو! میں فاطمہؑ ہوں۔

اور یہی وہ اہم ترین وجہ ہے جس کی بناء پر حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کے ذریعے باقی اصحاب کساء کا تعارف کرایا گیا "هم فاطمة وابوها وبعلها وبنوها" یہ فاطمہؑ ہیں، ان کے بابا ان کے شوہر اور ان کے بیٹے ہیں۔

خطبہ فدک میں دیگر اعلیٰ مضامین اور مطالب کے ساتھ مذکورہ جملہ تمام انسانی پہلوؤں سے مقام فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ تاریخ اس آئیڈیل خاتون کا تعارف کرانے میں قاصر اور مقصر ہے۔ البتہ تاریخ کے اوراق میں جو تھوڑا بہت تذکرہ ہے اس میں غور و فکر اور باریک بینی، حقیقت کے متلاشیوں کے لئے ضروری ہے اور اہل نظر کے لئے کافی ہے۔ جن نکات میں غور و فکر اور عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے، وہ یہ ہیں:

ا۔اس دور کے عربوں اور دیگر اقوام وملل کی معاشرتی وسیاسی صورتحال اور عورتوں کے بارے میں ان کا سلوک، اور عورتوں کے حقوق اور حدود کے بارے میں جو کچھ قرآن وسنت نے بیان کیا ہے۔ اس سے موازانہ کیا جائے گا اور آج کی دنیا میں عورتوں کی موجودہ حالت اور اس کا دین مقدس اسلام کے اصولوں سے فرق پر مکمل بحث کی جائے گی۔

1. خاتم المرسلین ﷺ کی نسل کو ایک بیٹی جو عطیہ الٰہی اور کوثر تھی، کے ذریعے جاری رکھنے کے متعلق ارادہ الٰہی۔
2. پیغمبر اکرم ﷺ اور حضرت علیؑ کا حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کے ساتھ طرز عمل۔
3. حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے مبارک اسماء اور القاب پر توجہ۔ ام ابیھا (باپ کا بیٹی کی نسبت بہت زیادہ پیار ومحبت اور احترام کی بناء پر دیا گیا لقب)، فاطمہ (پلید گیوں سے قطع شدہ)، زہراء (نور عظمت الٰہی سے خلق شدہ اور درخشندہ)، حصان (پارسا)، حرہ (عزت والی خاتون)، محدثہ (ماں کے بطن میں گفتگو کرنے والی اور ملائکہ الٰہی سے باتیں کرنے والی) حانیہ (شوہر اور اولاد پر مہربان)، بتول (پاک)، طاہرہ، مطہرہ، زکیہ، راضیہ، مرضیہ، عذراء، مبارکہ اور کوثر۔ (9)
4. فاطمہ زہرا (س) کا اپنے والد، شوہر، اولاد، رشتہ داروں، ہمسایوں، فقراء سائلین، خادمین، حکام، عورتوں، مردوں اور مہاجرین وانصار سے حسن سلوک اور رویہ۔
5. حضرت فاطمہ زہرا (س) کی گفتگو اور اقوال کا مجموعہ بالخصوص وہ گفتگو جو آپ کے خطبے کے عنوان سے تاریخ میں ثبت اور ضبط ہے۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی شخصیت کا ایک ناشناختہ پہلو ان کی علمی خصوصیات ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی شناخت، پہچان اور ان کے وجود کے زوایوں سے علوم کی تطبیق لازم ہو جاتی ہے۔ اس معنی میں کہ بشری علوم ان کے وجود کا ظرف اور قالب نہیں بن سکتے البتہ معصومین علیہم السلام کے وجودات کا قرآن مجید پر تطبیق، کتاب تدوین کا تمام امور پر احاطہ اور اس کا کتاب تکوین پر منطبق ہونے کے لحاظ سے معصومین علیہم السلام تمام تعلیمات پر مسلط تھے اور ان سب کے حامل تھے۔ خطبہ فدک ان باقی ماندہ آثار میں سے ایک ہے جو علم و عرفان، احساس ذمہ داری (مسئولیت) اور سازندگی کے اعلیٰ وارفع مطالب پر مشتمل ہے۔

معرفت خدا حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نگاہ میں

جناب سیدہؑ اپنے خطبہ کا آغاز یوں فرماتی ہیں: ”مَا أَنْعَمَ وَ لَهُ الشُّكْرُ عَلَى مَا أَلْهَمَ وَ الثَّنَاءُ بِمَا قَدَّمَ مِنْ عُمُومِ نِعَمٍ ابْتَدَأَهَا وَ سُبُوغِ آلاءٍ أَسْدَاهَا وَ تَمَامِ مِنَنٍ أَوْلاَهَا جَمَّ عَنِ الْإِحْصَاءِ عَدَدُهَا وَ نَأَى عَنِ الْجَزَاءِ أَمَدُهَا وَ تَفَاوَتَ عَنِ الْإِدْرَاكِ أَبَدُهَا وَ نَدَبَهُمْ لِاسْتِزَادَتِهَا بِالشُّكْرِ لِاتِّصَالِهَا وَ اسْتَحْمَدَ إِلَى الْخَلَائِقِ بِإِجْزَالِهَا وَ ثَنَّى بِالنَّدْبِ إِلَى أَمْثَالِهَا وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ كَلِمَةٌ جُعِلَ الْإِخْلَاصُ تَأْوِيلَهَا وَ ضُمِّنَ الْقُلُوبُ مَوْصُولَهَا وَ أَنَارَ فِي التَّفَكُّرِ مَعْقُولَهَا الْمُمْتَنِعُ مِنَ الْأَبْصَارِ رُؤْيَتُهُ وَ مِنَ الْأَلْسُنِ صِفَتُهُ وَ مِنَ الْأَوْهَامِ كَيْفِيَّتُهُ ابْتَدَعَ الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ كَانَ قَبْلَهَا وَ أَنْشَأَهَا بِلَا احْتِذَاءِ أَمْثِلَةٍ امْتَثَلَهَا كَوَّنَهَا بِقُدْرَتِهِ وَ ذَرَأَهَا بِمَشِيَّتِهِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنْهُ إِلَى تَكْوِينِهَا وَ لَا فَائِدَةٍ لَهُ فِي تَصْوِيرِهَا إِلَّا تَثْبِيتاً لِحِكْمَتِهِ وَ تَنْبِيهاً عَلَى طَاعَتِهِ وَ إِظْهَاراً لِقُدْرَتِهِ تَعَبُّداً لِبَرِيَّتِهِ وَ إِعْزَازاً لِدَعْوَتِهِ ثُمَّ جَعَلَ الثَّوَابَ عَلَى طَاعَتِهِ وَ وَضَعَ الْعِقَابَ عَلَى مَعْصِيَتِهِ ذِيَادَةً لِعِبَادِهِ مِنْ نَقِمَتِهِ وَ حِيَاشَةً لَهُمْ إِلَى جَنَّتِهِ۔“ (10)

یعنی: اس پروردگار کی حمد وستائش ہے جس کی بے انتہا نعمتوں نے تمام موجودات کو گھیر رکھا ہے۔ شکر ہے خدا کا جس نے خفیہ الہامات کے ذریعے ہمیں شکر گذاری کی تعلیم دی ہے اور ہمیں اپنی حمد وثناء کرنے کا پابند بنایا میں اس رب کی تقدیس کرتی ہوں جو سب سے زیادہ بخشنے والا ہے، جس نے سب کو نعمت وجود سے سرفراز کیا، نعمتوں کا آغاز اور اختتام اسی کی طرف سے ہے، کوئی اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتا۔ اس نے بندوں کو

دعوت دی ہے کہ شکر کے ذریعے نعمتوں میں اضافہ کرائیں پھر ان نعمتوں کو مکمل کرکے مزید حمد کا مطالبہ کیا اور انہیں دہرایا۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا وحدہ لاشریک ہے اور اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے وہ یکتا اور بے مثل ہے، اس کی ابدیت میں سب حیران ہیں اور اس کی ازلیت میں سب سرگردان ہیں، اس میدان میں سوچ وفکر داخل نہیں ہو سکتی، عقل وخرد کو اس میں پر نہیں مار سکتی، وہ ایسی ذات ہے جسے دیکھنے کی آنکھوں میں توانائی نہیں ہے، زبانیں اس کی توصیف سے عاجز ہیں، اس کے مقام عظمت کا کوئی ادراک نہیں رکھتا، اس کی ذات کی حقیقت کو عقل پا نہیں سکتی۔ وہ ایسا خالق ہے جس نے موجودات کو بغیر مادہ کے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چیزوں کو ابتداء سے وجود عطا کرنے والا اور انہیں عدم سے نکال کر ہستی میں لانے والا ہے اُسے تخلیق کے لئے نمونے کی ضرورت نہ تھی۔ مثل ومثال اور نمونے کے بغیر تصویر کو پیدا کیا صرف اپنی قدرت اور مشیئت کے ذریعے۔ اس نے بشر کو عبادت کی دعوت دی تاکہ عبودیت کے ذریعے ثواب کا مستحق قرار پائے، اس نے ثواب کو اطاعت پر موقوف کیا اور عقاب کو معصیت ونافرمانی سے مربوط کیا تاکہ لوگ اس کے غضب سے بچیں اور جنت کی طرف کھنچے آئیں۔

خطبہ فاطمیہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود حمد سے شروع ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ "الْحَمْدُ لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (11) اور قرآن بیکراں نعم الٰہی کے شمار کرنے سے ناتوانی کے بارے میں فرماتا ہے۔ "إِن تَعُدُّواْ نِعْمَتَ اللّهِ لاَ تُحْصُوهَا" (12) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکتے ہو۔ اگرچہ اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جاسکتا، لیکن ان کو یاد ضرور کرنا چاہیے "وَاذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ۔۔۔" (13) اور اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ پس ان نعمتوں میں سے سب سے پہلی نعمت کا ذکر حضرت فاطمہؑ نے کیا ہے جو کہ وجود کی نعمت ہے اور پردہ عدم کو چاک کرنا ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔

"قَالَ بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ" (14)

حمد وثنا اس رب کی ہے الحمد للہ رب العالمین ہے جو سب سے پہلا معلم ہے۔ "عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" (15)

وہی خدا جو ہمیں شکر گذاری کا درس دیتے ہوئے فرماتا ہے: "وَاشْكُرُواْ لِي وَلاَ تَكْفُرُونِ" (16)

خالق کی طرف سے مخلوق کو شکر گذاری کی دعوت اور اس سے تقاضا ایک طبعی اور عام بات ہے لیکن خالق کا مخلوق کا شکر کرنے کا کیا معنی ہو سکتا ہے سوائے نعمت کے اتمام اور تکمیل کے؟ پس اس نے ہم پر اپنی حمد وستائش کو فرض کیا تاکہ نعمت کو کمال تک پہنچائے اور بندے پر اکرام کا بہانہ مہیا ہو جائے کیونکہ رحمت وفیض ذات حق کی ذاتی صفت ہے فیض کی راہ میں مانع خود بندہ اور قبول کرنے والا ہے۔ پس اس کے فیض اور رحمت کے حصول کے لئے پردہ کا ہٹ جانا اور مانع کا برطرف ہونا ہی کافی ہے۔ اس کے نتیجے میں باران رحمت الٰہی کا نزول ہو جائے اور وہ سراپا ہستی کو اپنے اندر غرق کرلے۔

تمید (حمد وستائش) کا لازمہ تقدیس (منزہ قرار دینا) چنانچہ جب حمد سب اور تمام (الحمد) ہے تو پھر قداست بھی تمام اور قام ہے اس طرح سے مکمل رحمت وجود بھی محقق ہوئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

"قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا" (17)

یعنی: فرما دیجئے: اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے روشنائی ہو جائے تو وہ سمندر میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اس کی مثل اور (سمندر یا روشنائی) مدد کے لئے لے آئیں۔

اس معرفت کے ساتھ شہادت کا معنی عیاں ہوتا ہے۔ واشھد ان لا اِلٰہ الا اللہ، واحدہ لاشریك لہ۔ وہی ذات جس کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا۔ وہ ایسی ذات ہے جو زمانے کی حدود سے ماوراء ہے اور عدم نے اس پر سبقت نہیں لی وہی ہر چیز سے پہلے اور اول ہے۔ "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ" (18)

کیونکہ غور وفکر کالازمہ یہ ہے کہ عاقل معقول پر احاطہ پیدا کرے اور معقول محدود ہو۔ تصدیق کالازمہ تصور ہے اور تصور کالازمہ کسی چیز کی ذہنی ترکیب ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ان تمام اوصاف سے بری اور پاک ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی کیونکر تعریف کی جاسکتی ہے، عقل وفکر کس طرح اس وادی میں قدم رکھ سکتے ہیں؟ پس اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر سے باز رہنا چاہئے کیونکہ وہ "قُل هُوَاللهُ اَحد" (19) ہے۔ خدا کے بارے میں سوال کے جواب میں کہو وہ یکتا اور احد ہے۔ مرکب نہیں ہے بلکہ بسیط ہے، چونکہ وہ اجزاء خارجیہ سے مرکب نہیں ہے، اس لئے اس کا تجزیہ وتحلیل نہیں ہوسکتا اور چونکہ ذہن میں بھی اس کے اجزاء نہیں ہیں، اس لئے اس کی تعریف بھی نہیں ہوسکتی، وہ ماھیت کو قبول نہیں کرتا، کیونکہ ماھیت کا وجود پر عارض ہونے کا مطلب غیر سے وابستگی اور معلول ہونا ہے جو کہ اس کے واجب الوجود ہونے کے منافی ہے۔
"الحق ماهيته اينة اذ مقتضى العروض معلوليته" پس وہ احد ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بے نیاز ہے" الله الصمد" (20) جب کسی چیز کے بارے میں عقل سوچنے سے عاجز ہو وہاں پر وہم وخیال کا گزر کیسے ہوسکتا ہے، پس اس کی عظمت وکبریائی کو وہم نہیں پاسکتا اور جب وہم اور عقل کام کرنا چھوڑ دیں تو توصیف میں زبان کی نارسائی معلوم ہوجاتی ہے کیونکہ زبان سوچ وفکر، وہم وخیال اور مناظر کو ہی بیان کرتی ہے جیسے آنکھ نہ دیکھ سکے اور زبان بیان نہ کرسکے "لاَّتُدْرِكُهُ الأَبْصَارُ وَهُوَيُدْرِكُ الأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ" (21)
انسان صانع، فنکار اور کاریگر ہے لیکن اس کی کاریگری اور ہنر مندی اس عالم وجود کی تقلید اور نقل ہی ہوتی ہے جس کا معمار خدا ہے جس نے بغیر نمونے تصویر اور نقشے کے عام خلقت کو حسن وجمال اور خوبصورتی وزیبائی سے متجلی کیا۔ انسان خود وجود خدا کی تجلی اور اسم اللہ کا مظہر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُسے تعلیم دی ہے۔ "وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا" (22) اور اس کی دیگر تمام مخلوقات حتیٰ ملائکہ پر برتری اور فضیلت کا معیار علم کو قرار دیا۔ "ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلاَئِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ قَالُواْ سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ لَنَا إِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ" (23) پس چونکہ علم وارادہ آدمی کے وجود میں ودیعت کیا گیا ہے اس لئے وہ دوسروں سے ممتاز ہوگیا ہے عبادت اور اطاعت اس کے وجود کے ساتھ قرار پائی تاکہ وہ اجر وثواب کا مستحق بن جائے۔ لیکن اگر نافرمانی اور سرکشی کرے تو وہ عذاب الٰہی کا سزاوار بن جائے۔ یہ سزائیں بھی مخلوق کے لئے عین رحمت الٰہی ہیں اس لئے کہ بندے کو سزا دے کر اللہ تعالیٰ کوئی تشفی کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو سرمایہ حیات اور نوع انسان کی بقاء کا باعث ہے جیساکہ مادی دنیا میں قصاص کا یہی مقصد ہے اور یہ روئے زمین پر بنی نوع انسان کی حیات اور پائیداری کا ضامن ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" ۔ (24)

فاطمہ زہراؑ کی نگاہ میں سعادت بشری کا معیار

جب سے انسان نے اس کرہ خاکی پر قدم رکھا ہے اس وقت سے سعادت وخوش بختی کی تلاش میں ہے۔ سقراط کے نزدیک اخروی خوشبختی کا حصول سعادت ہے۔ افلاطون نے علم ودانش کو انسان کی برتری اور سعادت کا معیار قرار دیا ہے۔ ارسطو نے اعتدال کے نظریے کی بنیاد رکھی، بعض نے مال ودولت، بعض نے طاقت، بعض نے اختیار اور ایک گروہ نے جذبات کو معیار بنایا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک نے اپنے گمشدہ کو کسی چیز میں پایا ہے۔
لیکن فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے سعادت اور خوش بختی کا معیار ایمان واعتقادات اور ان کے مطابق عمل کو قرار دیا ہے۔ اس لحاظ سے ان کے کلام کو کلامی ابحاث اور عقیدے وایمان کی بنیاد پر احکام دینی پر عمل کے اعتبار سے دو حصوں میں تحلیل کیا جاسکتا ہے۔

الف: کلامی مباحث

ا۔ دین اور امانت الٰہی کو قبول کرنا: اصول دینداری

أَنْتُمْ عِبَادَ اللهِ نُصُبُ أَمْرِهِ وَ نَهْيِهِ وَحَمَلَةُ دِينِهِ وَ وَحْيِهِ وَ أُمَنَاءُ اللهِ عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَ بُلَغَاؤُهُ إِلَى الأُمَمِ زَعِيمُ حَقٍّ لَهُ فِيكُمْ وَ عَهْدٌ قَدَّمَهُ إِلَيْكُمْ وَ بَقِيَّةٌ اسْتَخْلَفَهَا عَلَيْكُمْ كِتَابُ اللهِ النَّاطِقُ وَ الْقُرْآنُ الصَّادِقُ وَ النُّورُ السَّاطِعُ وَ الضِّيَاءُ اللاَّمِعُ بَيِّنَةٌ بَصَائِرُهُ مُنْكَشِفَةٌ سَرَائِرُهُ مُنْجَلِيَةٌ ظَوَاهِرُهُ

مُغْتَبِطَةٌ بِهِ أَشْيَاعُهُ قَائِداً [قَائِدٌ] إِلَى الرِّضْوَانِ أَتْبَاعُهُ مُؤَدٍّ إِلَى النَّجَاةِ اسْتِمَاعُهُ بِهِ تُنَالُ حُجَجُ اللهِ الْمُنَوَّرَةُ وَ عَزَائِمُهُ الْمُفَسَّرَةُ وَ مَحَارِمُهُ الْمُحَذَّرَةُ وَ بَيِّنَاتُهُ الْجَالِيَةُ وَ بَرَاهِينُهُ الْكَافِيَةُ وَ فَضَائِلُهُ الْمَنْدُوبَةُ وَ رُخَصُهُ الْمَوْهُوبَةُ وَ شَرَائِعُهُ الْمَكْتُوبَةُ۔ (25)

اے لوگو! اے اللہ کے بندو! تم اپنے پروردگار کے اوامر اور نواہی کے مخاطبین ہو تم اس کے دین اور وحی کے حامل ہو۔ تم اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کے امین ہو۔ یہ تم ہو جنہیں دین الٰہی پر عمل کرنا ہے اور اُسے دوسروں تک پہنچانا ہے اور تمہیں دوسروں کے لئے مثال بننا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: "إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا" (26) یعنی: بے شک ہم امانت کو آسمان، زمین اور پہاڑ سب کے سامنے پیش کیا اور سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور خوف ظاہر کیا پس انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا کہ انسان اپنے حق میں ظالم اور نادان ہے۔

آسمان بار امانت نتوانست کشید

قرعہ کا بہ نام من دیوانہ زدند (27)

انسان دین و شریعت کے حامل بن گئے تاکہ دین پر عمل کرنے کی صورت میں دوسروں کے لئے نمونہ اور مثال بن جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ" (28)

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو انسان کامل دوسروں انسانوں کے لئے نمونہ عمل اور امت دیگر امتوں کے لئے نمونہ اور اُسوہ ہے۔ مثالی امت نہ صرف دین پر عمل پیرا ہوتی ہے بلکہ دین کی مبلغ بھی ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ۔ اللهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ۔ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ"۔

پس مومنین خود بھی اعمال بجالائیں اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید اور وصیت کریں تاکہ حق کے اصولوں پر مضبوطی سے عمل کریں۔

۲۔ دین خاتم کو اختیار کرنا، کتاب صامت اور ولی ناطق پر ایمان (اصول نبوت وامامت)

"وَ أَشْهَدُ أَنَّ أَبِي مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ اخْتَارَهُ قَبْلَ أَنْ أَرْسَلَهُ وَ سَمَّاهُ قَبْلَ أَنِ اجْتَبَاهُ وَ اصْطَفَاهُ قَبْلَ أَنِ ابْتَعَثَهُ إِذِ الْخَلَائِقُ بِالْغَيْبِ مَكْنُونَةٌ وَ بِسَتْرِ الْأَهَاوِيلِ مَصُونَةٌ وَ بِنِهَايَةِ الْعَدَمِ مَقْرُونَةٌ عَلَماً مِنَ اللهِ تَعَالَى بِمَآيِلِ الْأُمُورِ وَ إِحَاطَةً بِحَوَادِثِ الدُّهُورِ وَ مَعْرِفَةً بِمَوَاقِعِ الْأُمُورِ ابْتَعَثَهُ اللهُ إِتْمَاماً لِأَمْرِهِ وَ عَزِيمَةً عَلَى إِمْضَاءِ حُكْمِهِ وَ إِنْفَاذاً لِمَقَادِيرِ رَحْمَتِهِ فَرَأَى الْأُمَمَ فِرَقاً فِي أَدْيَانِهَا عُكَّفاً عَلَى نِيرَانِهَا عَابِدَةً لِأَوْثَانِهَا مُنْكِرَةً لِلّٰهِ مَعَ عِرْفَانِهَا فَأَنَارَ اللهُ بِأَبِي مُحَمَّدٍ ص ظُلَمَهَا وَ كَشَفَ عَنِ الْقُلُوبِ بُهَمَهَا وَ جَلَى عَنِ الْأَبْصَارِ غُمَمَهَا وَ قَامَ فِي النَّاسِ بِالْهِدَايَةِ فَأَنْقَذَهُمْ مِنَ الْغَوَايَةِ وَ بَصَّرَهُمْ مِنَ الْعَمَايَةِ وَ هَدَاهُمْ إِلَى الدِّينِ الْقَوِيمِ وَ دَعَاهُمْ إِلَى الطَّرِيقِ الْمُسْتَقِيمِ ثُمَّ قَبَضَهُ اللهُ إِلَيْهِ قَبْضَ رَأْفَةٍ وَ اخْتِيَارٍ وَ رَغْبَةٍ وَ إِيْثَارٍ فَمُحَمَّدٌ ص مِنْ تَعَبِ هَذِهِ الدَّارِ فِي رَاحَةٍ قَدْ حُفَّ بِالْمَلَائِكَةِ الْأَبْرَارِ وَ رِضْوَانِ الرَّبِّ الْغَفَّارِ وَ مُجَاوَرَةِ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ صَلَّى اللهُ عَلَى أَبِي نَبِيِّهِ وَ أَمِينِهِ وَ خِيَرَتِهِ مِنَ الْخَلْقِ وَ صَفِيِّهِ وَ السَّلَامُ عَلَيْهِ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ" (29)

یعنی: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان حق پر ایک ضامن بنایا اور آخری پیغمبرؐ کے ذریعے عہد و پیان تمہارے لئے بھیجے اور تمہارے لئے اپنے دو جانشین اور خلیفے متعین کئے ایک اللہ تعالیٰ کی نہ بولنے والی کتاب اور دوسرا بولنے والا اللہ کا ولی۔ یہ دونوں رب العزت کے انوار، احکام الٰہی کے حلال وحرام کو بیان کرنے والے اور سچے ہادی الٰہی ہیں ان کی ہدایت اور ارشاد کے انوار کی شعاعیں ہمیشہ جلوہ گر ہیں اور تمہیں ہر لمحے حق وحقیقت کی طرف دعوت دیتی رہتی ہیں۔"

شریعت الٰہی پے در پے انسانوں پر نازل ہوئے تاکہ فراموش شدہ عہد و پیان ان کو دوبارہ یاد دلائے۔ اس میثاق وعہد و پیان کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

"وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ"۔(30)

بنی آدم سے عہد لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کا اقرار کریں گے اور اس پر ایمان رکھیں گے آدمی اپنے عہد پر باقی رہا جب بھی وہ مجبور اور مضطر ہوا اپنے رب کی طرف رجوع کیا، لیکن جب وہ نعمتوں میں غرق ہوا تو اپنے عہد کو توڑ دیا اور شرک کرنے لگا۔ آدمی کی حالت کو قرآن یوں بیان کرتا ہے: "فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ"(31)

پیغمبروں نے انہیں اللہ تعالیٰ سے کہا گیا عہد و پیمان یاد دلایا: "فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ۔لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ۔(32)

پس آپ نصیحت کرتے رہو کہ آپ صرف نصیحت کرنے والے ہی۔ آپ ان پر مسلط اور ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

انبیاء علیہم السلام انسانوں کی ہدایت اور ان کی استعداد کو پروان چڑھانے کے لئے تشریف لائے یہاں تک کہ ان سب سے افضل اور خاتم کی باری آئی۔ وہ نبیؐ جو قرآن کے مطابق "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى"(33) کے مقام پر فائز ہوئے۔ پس آخری شریعت آپ کے دست مبارک سے لوگوں تک پہنچی اور جب آپؐ رحلت فرما گئے تو آپؐ مطمئن تھے کہ ان کا دین باقی رہے گا کیونکہ دین کی بقاء کا راستہ خود دین میں بتا دیا گیا تھا۔ امامت کو تکمیل دین اور اتمام نعمت کے طور پر بیان کر دیا گیا تھا۔ ارشاد ہوا:

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ"(34)

چنانچہ جب امامت کا اعلان پہنچ گیا تو نعمتیں مکمل ہو گئیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آیا۔

دین اسلام سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا۔ اور دین تو صرف اسلام ہی ہے۔ "جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: " إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ "(35)انسان شعور کی اس منزل پر پہنچ گیا جہاں وہ اسلام کو حاصل کرنے کے قابل ہو گیا۔ اسلام کو اپنانے اور اتمام نعمت کا شرف پانے کی توفیق اُسے مل گئی۔ شریعت، عدل و عدالت کی محافظ ہوتی ہے اور عدل وعدالت بنی نوع انسان کی بقاء کا ضامن، شریعت کا دوام اور پائیداری چند عوامل سے وابستہ ہے۔ امامت اور قرآن شریعت کی حفاظت کے دو معتبر ضامن ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے: وَإِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي۔(36)

اس کی وجہ یہ ہے کہ دین مبین کی بقاء کے لئے دین کے مفسر اور مجری (اجراء کنندہ) کی ضرورت ہے۔ ایسی شخصیت کی تعین کے لئے عقلی طور پر دو راستے موجود ہیں۔ اول:۔ عوام کی طرف سے تعین۔ دوم:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب۔ پہلا راستہ نہ صرف اختلافات کو ختم نہیں کرتا بلکہ خود اختلاف کا سبب بنتا ہے۔ پس اس کے لئے نص اور انتخاب الٰہی ہی بہترین راستہ ہے۔

۳۔ قرآن کی شناخت (قرآنی تعلیمات پر لازمی عمل کرنے کا اصول)

جناب سیدہؑ اس بارے میں فرماتی ہیں: " كِتَابُ اللهِ النَّاطِقُ وَ الْقُرْآنُ الصَّادِقُ وَ النُّورُ السَّاطِعُ وَ الضِّيَاءُ اللَّامِعُ بَيِّنَةٌ بَصَائِرُهُ مُنْكَشِفَةٌ سَرَائِرُهُ مُنْجَلِيَةٌ ظَوَاهِرُهُ مُغْتَبِطَةٌ بِهِ أَشْيَاعُهُ قَائِداً [قَائِدٌ] إِلَى الرِّضْوَانِ أَتْبَاعُهُ مُؤَدٍّ إِلَى النَّجَاةِ اسْتِمَاعُهُ بِهِ تُنَالُ حُجَجُ اللهِ الْمُنَوَّرَةُ وَ عَزَائِمُهُ الْمُفَسَّرَةُ وَ مَحَارِمُهُ الْمُحَذَّرَةُ وَ بَيِّنَاتُهُ الْجَالِيَةُ وَ بَرَاهِينُهُ الْكَافِيَةُ وَ فَضَائِلُهُ الْمَنْدُوبَةُ وَ رُخَصُهُ الْمَوْهُوبَةُ وَ شَرَائِعُهُ الْمَكْتُوبَةُ "۔(37)

یعنی: یہ قرآن ہے جس نے تمہارے دل و دماغ کو منور کیا ہے اور تمہیں روشنی بخشی ہے۔ قرآن کے اسرار تم سب پر منکشف اور اس کے ظواہر تم سب پر عیاں اور ظاہر ہو چکے ہیں۔ دوسری اقوام قرآن کے تمہارے پاس ہونے پر رشک کر رہی ہیں اور حسرت کا اظہار کر رہی ہیں۔ قرآن کی پیروی انسان کو رضائے الٰہی تک پہنچا دیتی ہے اور قرآن آیات پر غور و فکر آدمی کو نجات و سعادت کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ قرآن کی بدولت قدرت الٰہی کی نشانیاں اور علامتیں انسانی ادراک کے دائرے میں آجاتی ہیں۔ شریعت کے حلال و حرام کا پتہ قرآن سے چل جاتا ہے جو کہ کامیابی کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے محرمات جو کہ سزا و عقاب کا موجب ہیں، کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کی برکت سے ہی واضح اور آشکار براہین و دلائل حاصل

ہوتے ہیں، بے شمار فضائل اور اعمال میں رخصت کا علم ہوتا ہے، سوچ و فکر کی آزادی اور تحقیق کی اجازت کا پتہ چلتا ہے۔ احکام شریعت میں وسعت اور پابندیوں کا علم بھی قران کے ذریعے ہی ہوتا ہے اور تمام علمی باتیں اسی کے ذریعے ہی ہمیں سکھائی گئی ہیں۔

قرآن کی معرفت اور اعجاز قرآن کے پہلوؤں سے آگاہی پر اسلام کے ابتدائی دور سے ہی علماء نے توجہ دی ہے اور اس بارے میں تالیفات موجود ہیں۔

اعجاز قرآن کے متعدد پہلو

قرآن ایسی کتاب ہے جو احسن الحدیث، بہار قلوب، شفاء قلوب اور احسن القصص ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی تعریف میں سخن کے امام، حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''کِتَابُ اللّٰہِ تبصرُونَ بِہِ وتُنطِقُونَ بِہِ وَتَسمَعُونَ بِہِ وَینطِقُ بَعضُہُ بِبعضٍ وَیَشھَدُ بَعضہُ عَلیٰ بَعضٍ وَلایختلفِ فی اللّٰہِ وَلا یُخالِفُ بِصاحِبِہِ عَنِ اللّٰہِ۔'' (38) یعنی؛ یہ کتاب خدا ہے جس میں تمہاری بصارت اور سماعت کا سارا سامان موجود ہے اس میں ایک حصہ دوسرے کی وضاحت کرتا ہے اور ایک دوسرے کی گواہی دیتا ہے یہ احکام خدا کے بارے میں اختلاف نہیں رکھتا ہے اور اپنے ساتھی کو خدا کی شاہراہ سعادت سے جدا نہیں کرتا ہے۔

پس قرآن ایسی کتاب ہے جس میں گذشتہ واقعات اور آئندہ کا علم ہے، جس میں بیماریوں کی شفاء اور انفرادی و اجتماعی امور کی اصلاح کا سامان موجود ہے۔ قرآن ایسا نور ہے جو کبھی بجھتا نہیں ہے، ایسا چراغ ہے جس کی روشنی کبھی ختم نہیں ہوتی۔

قرآن، بہترین طرز زندگی کی ہدایت کرنے والا ہے۔ الم ذَلِکَ الْکِتَابُ لاَ رَیْبَ فِیہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ (39) قرآن، قرآن مبین ہے، فرقان ہے، نور مبین ہے، ''تِبیاناً لِکُلِ شَئی'' ہے (40) کتاب ہدایت اور پیغمبر اکرم ﷺ کا زندہ جاوید معجزہ ہے، جس کے اندر تمام بشری علوم موجود ہیں اور یہ تمام انسانی ضروریات کو یہ پورا کرنے والا ہے بشرطیکہ اس کی تفسیر اور تاویل کی جائے اور اس کی تاویل اور بطن کو ''راسخون فی العلم'' کے علاوہ کوئی جانتا نہیں ہے۔ ''وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیلَہُ إِلاَّ اللّہُ وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ'' (41) اور راسخون فی العلم، صاحبان ولایت اور آئمہ برحق کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ پس ان دو الٰہی گرانقدر چیزوں سے تمسک کرنا چاہیۓ اور ان سے ہرگز جدا نہیں ہونا چاہیۓ تاکہ ہدایت اور سعادت کا راستہ طے کیا جاسکے۔ جس طرح یہ دو چیزیں آپس میں جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر پیغمبر اکرم ﷺ تک پہنچ جائیں۔

۴۔ شرک کا ترک کرنا (توحیدی اصول)

سیدہؑ فرماتی ہیں۔ ''فَجَعل اللّٰہُ الایمانَ تطھیراً لَکُم مِن الشرك۔'' یعنی: ''اللہ تعالٰی نے خلوص عبودیت کے لئے شرک سے پاک ہونا قرار دیا۔''

جناب سیدہؑ احکام الٰہی کے فلسفہ کو بیان کرنے کے بعد پہلے اصول کی طرف لوٹتی ہیں پہلا اصول شرک کو ترک کرنا اور توحید کی طرف جھکنا ہے اس معنی میں کہ احکام کے عملی طور پر انجام دینے کی ضمانت یہی اصول یعنی توحید پر ایمان اور شرک سے دوری ہے۔ اس اصول کی انتہا خدا کی معرفت ہے۔ چنانچہ خدا کی معرفت حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی نگاہ میں یوں مجسم ہوئی ہے: '' وَحَرَّمَ اللّٰہُ الشِّركَ إِخْلَاصاً لَہُ بِالرُّبُوبِیَّۃِ فَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقاتِہِ وَ لا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ وَ أَطِیعُوا اللّٰہَ فِیمَا أَمَرَكُمْ بِہِ وَ نَھَاكُمْ عَنْہُ فَإِنَّہُ إِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبادِہِ الْعُلَمَاءُ ''۔ یعنی: اللہ تعالٰی نے شرک کو حرام قرار دیا ہے تاکہ ربوبیت کو اپنے لئے خالص فرمائے، اللہ تعالٰی سے ایسے ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر اسلام پر، جن کاموں کا اللہ تعالٰی نے حکم دیا ہے اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے ان میں اس کی اطاعت کرو پس بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔ (42)

ب: احکام دین پر عقیدے اور ایمان کی بنیاد پر عمل اور احکام الٰہی کے فلسفہ اور حکمتوں کی وضاحت:

جناب سیدہؑ ارشاد فرماتی ہیں: ''وَ الصَّلَاۃَ تَنْزِیھاً لَكُمْ عَنِ الْكِبْرِ وَ الزَّكَاۃَ تَزْكِیَۃً لِلنَّفْسِ وَ نَمَاءً فِی الرِّزْقِ وَ الصِّیَامَ تَثْبِیتاً لِلْإِخْلَاصِ وَ الْحَجَّ تَشْیِیداً لِلدِّینِ وَ الْعَدْلَ تَنْسِیقاً لِلْقُلُوبِ وَ طَاعَتَنَا نِظاماً لِلْمِلَّۃِ وَ إِمَامَتَنَا أَمَاناً لِلْفُرْقَۃِ وَ الْجِھادَ عِزّاً لِلْإِسْلَامِ وَ الصَّبْرَ مَعُونَۃً عَلَی

اسْتِيجَابِ الْأَجْرِوَ الْأَمْرَبِالْمَعْرُوفِ مَصْلَحَةً لِلْعَامَّةِ وَ بِرَّالْوَالِدَيْنِ وِقَايَةً مِنَ السُّخْطِ وَ صِلَةَ الْأَرْحَامِ مَنْسَأَةً فِي الْعُمُرِ وَ مَنْمَاةً لِلْعَدَدِ وَ الْقِصَاصَ حَقْناً لِلدِّمَاءِ وَ الْوَفَاءَ بِالنَّذْرِ تَعْرِيضاً لِلْمَغْفِرَةِ وَ تَوْفِيَةَ الْمَكَايِيلِ وَ الْمَوَازِينِ تَغْيِيراً لِلْبَخْسِ وَ النَّهْيَ عَنْ شُرْبِ الْخَمْرِ تَنْزِيهاً عَنِ الرِّجْسِ وَ اجْتِنَابَ الْقَذْفِ حِجَاباً عَنِ اللَّعْنَةِ وَ تَرْكَ السَّرِقَةِ إِيجَاباً لِلْعِفَّةِ وَ حَرَّمَ اللهُ الشِّرْكَ إِخْلَاصاً لَهُ بِالرُّبُوبِيَّةِ فَ اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَ لا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ وَ أَطِيعُوا اللهَ فِيمَا أَمَرَكُمْ بِهِ وَ نَهَاكُمْ عَنْهُ فَإِنَّهُ إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ "(43)

" اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے شرک اور کفر کی پلیدی سے پاکیزگی اور تطہیر کا ذریعہ قرار دیا ہے۔"

ایمان اور عمل، خسارے اور نقصان سے بچنے کا معیار ہیں ایسے خسارے سے بچنے کا ذریعہ ہیں جس میں انسان اپنا اصلی سرمایہ بھی گنوا دیتا ہے، سعادت کے حصول اور خسارے سے نجات کے لئے ایمان ہونا چاہیے اور پھر نیک عمل بجالائے۔ ایمان اس تناور درخت کی جڑ ہے اور عمل صالح اس درخت کا پھل اور نتیجہ ہے۔ پس پہلے جناب سیدہ نے ایمان کی اہمیت کی بات کی ہے جو کہ شرک وکفر کی نجاستوں سے پاکیزگی اور طہارت کا باعث ہے۔ ایمان سے مراد توحید اور اس کے تمام مراتب پر عقیدہ ہے یعنی توحید نظری اور توحید عملی، اللہ تعالیٰ کو دیکھنا، سمجھنا اور صرف اس کے لئے عمل کرنا، صرف اس کی پرستش کرنا اور صرف اسی سے مدد مانگنا جیسا کہ قرآن فرماتا ہے۔"إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" (44)

توحید ذاتی یا توحید در ذات سے مراد یہ ہے کہ ذات الٰہی کی احدیت پر عقیدہ رکھنا، اُسے ایک خالق ماننا اور ہر قسم کی ترکیب سے اُسے منزہ و پاکیزہ سمجھنا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے: "قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ" مقام واحدیت سے مراد حق تعالیٰ کو شریک وہمسر سے منزہ و پاک سمجھنا ہے۔ "وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ" توحید صفاتی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات اور صفات بھی ایک ہیں اور تمام صفات میں بھی واحدنیت ہے (یعنی اس کی صفات ذات سے جدا نہیں ہیں اور صفات آپس میں بھی جدا نہیں ہیں) توحید افعالی کا معنی یہ ہے کہ تمام ممکن موجودات اپنے اعمال اور افعال میں مستقل اور خود مختار نہیں ہیں۔ قرآن کی آیت اسی مطلب کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔" وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَـكِنَّ اللّهَ " (45) انسان کی ابتدا بھی توحید ہے اور منزل بھی وہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

"إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ" (46) توحید کے مدّ مقابل شرک اور اس کے تمام مراتب میں۔ شرک کا نتیجہ کفر ہے اس لئے مشرک اور کافر ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں ارشاد الٰہی ہے۔" قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ۔ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ۔ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ۔ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ" (47) توحید پر ایمان شرک اور کفر کے لئے مانع اور رکاوٹ ہے، کیونکہ ایمان کا ثمر عمل صالح ہے اور شرک وکفر کا نتیجہ پلیدی اور برے اعمال ہیں۔ جس طرح ایمان کی نشانیاں اور علامتیں ہیں اسی طرح عمل صالح کی بھی نشانیاں ہیں۔ اس کی بعض نشانیاں یوں درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کی گئی ہیں:

نماز، زکوۃ، روزہ حج، اولی الامر کی اطاعت، اہل بیت کی امامت، جہاد، صبر، امر بہ معروف، صلہ رحم، والدین سے نیکی، قصاص، نذر کو پورا کرنا، ناپ تول کو پورا کرنا، شراب پینے سے ممانعت، تہمت سے بچنا، چوری نہ کرنا، شرک سے دوری وغیرہ۔

احکام کے فلسفہ سے آگاہی انہیں اچھے انداز سے انجام دینے کا باعث ہے۔ عبادت کے انجام دینے کا ایک عام فلسفہ مولیٰ کے علم کی اطاعت ہے۔ اس لئے ہر عبادی عمل میں قصد قربت ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ہر عبادت کا اپنا ایک خاص فلسفہ اور حکمت ہے۔ ان امور میں سے ہر ایک کے بارے میں آگاہی اور معرفت کا مواد قرآن اور روایات اہل بیت علیہم السلام میں موجود ہے۔ جناب سیدہ نے ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ا۔ نماز

آپ نے فرمایا: "وَ الصَّلَاةَ تَنْزِيهاً لَكُمْ عَنِ الْكِبْرِ"۔ "اللہ تعالیٰ نے نماز کو تمہارے دلوں سے کبر و نخوت سے پاک کرنے کے لئے قرار دیا۔"

احساس برتری اور غرور و تکبر انسان کے لئے بہت بڑی آفت ہے اور سعادت کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، شیطان اسی بیماری میں مبتلا ہوا اور راندہ درگاہ ہوا۔

"إِلاَّ إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ" (48) وہ اپنی خلقت کو آگ اور آدم کو مٹی سے خلق شدہ سمجھا اس لئے اس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے سے انکار کر دیا۔ قرآن فرماتا ہے: "قَالَ أَنَاْ خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ" (49) یعنی؛اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو گوندھی ہوئی مٹی سے۔

وہ حضرت آدم علیہ السلام کے علمی مقام و مرتبے سے آگاہ نہیں تھا اور ان کی برتری کے سبب کو دریافت نہ کر سکا پس اُس نے خدا پر اعتراض کر دیا اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب کیا اور اپنے آپ کو آدمؑ کی اولاد کو بہکانے کے لئے خاص کر لیا۔ ارشاد الٰہی ہے: "قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ" (50) یعنی؛ اس (ابلیس) نے کہا: پس اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے (مجھے قسم ہے کہ) میں (بھی) ان (افرادِ بنی آدم کو گمراہ کرنے) کے لئے تیری سیدھی راہ پر ضرور بیٹھوں گا (تاکہ انہیں راہِ حق سے ہٹا دوں)۔

اور کہا: قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الأَرْضِ وَلأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۔ إِلاَّ عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۔ قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۔ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلاَّ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ۔ (51) یعنی؛ ابلیس نے کہا: اے پروردگار! اس سبب سے جو تو نے مجھے گمراہ کیا میں (بھی) یقیناً ان کے لئے زمین میں (گناہوں اور نافرمانیوں کو) خوب آراستہ و خوش نما بنا دوں گا اور ان سب کو ضرور گمراہ کر کے رہوں گا، سوائے تیرے ان برگزیدہ بندوں کے جو (میرے اور نفس کے فریبوں سے) خلاصی پا چکے ہیں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا: یہ (اخلاص ہی) راستہ ہے جو سیدھا میرے در پر آتا ہے۔ بیشک میرے (اخلاص یافتہ) بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا سوائے ان بھٹکے ہوؤں کے جنہوں نے تیری راہ اختیار کی۔

قطع نظر اس کے کہ مخلصین پر اس کا کوئی بس نہیں چلے گا، اُسے مہلت دے دی گئی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: "وَلأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۔ إِلاَّ عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ" (52) یعنی؛ میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔

پس اخلاص کے مقام پر پہنچنے کے لئے غرور و تکبر سے دوری اختیار کرنا ضروری ہے۔ اور اس مقصد تک پہنچنے کے لئے نماز، بہترین ذریعہ ہے۔ نماز، خالق کائنات کے سامنے پیشانی کو خاک پر رکھنا اور خضوع و خشوع کا اظہار کرنا ہے۔ نماز کے بہت سارے آداب اور اسرار ہیں جو مفصل کتابوں میں مذکور ہیں البتہ بطور خلاصہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نماز عبادت کا مغز ہے چنانچہ ہر موجود ذات حق کی تسبیح مس مشغول ہے۔ "وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلاَّ يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِن لاَّ تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (53) یعنی؛ اور (پوری کائنات میں) کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح (کی کیفیت) کو سمجھ نہیں سکتے۔

ہر موجود کی تسبیح اس کی وجودی وُسعت کے مطابق ہوتی ہے۔

ہر کس بہ زبانی صفت حمد تو گوید

بلبل بہ غزل خوانی و قمری بہ ترانہ (54)

مخلوقات میں سے بعض اشیاء ہمیشہ قائم ہیں (جیسے درخت) بعض ہمیشہ سجدے میں ہیں اور بعض رکوع میں ہیں۔ بعض چیزیں خاموش اور بعض بولنے والی ہیں۔ انسان عالم خلقت کا نچوڑ اور اس کا سہرا ہے۔ پس اس کی عبادت بھی جامع اور عبادات کی تمام اقسام پر مشتمل ہونی چاہیے۔ نماز تمام انفرادی اور اجتماعی فرائض کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کا اہم ترین فائدہ کبر و نخوت سے دوری ہے۔ پس نماز قائم کرنا چاہیے ااور اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نماز میں سستی اور کوتاہی پر اللہ تعالیٰ نے ملامت کی ہے۔ ارشاد ہوا ہے: " فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ" (55) یعنی " تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں۔"

حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے نماز سے غفلت اور کوتاہی کے نقصانات کو یوں بیان فرماتی ہیں: " فَقَالَتْ سالتُ ابی رسول اللہ(ص)، لِمَنْ تَهَاوَنَ بِصَلَاتِهِ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ ـ قَالَ: مَنْ تَهَاوَنَ بِصَلَاتِهِ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ، ابْتَلَاهُ اللهُ بِخَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً، يَرْفَعُ اللهُ الْبَرَكَةَ مِنْ عمرہ ويَرْفَعُ اللهُ الْبَرَكَةَ مِنْ رِزْقِهِ ـ وَيَمْحُو اللهُ عَزَّوَ جَلَّ سِيمَاءَ الصَّالِحِينَ مِنْ وَجْهِهِ ـ وَ كُلُّ عَمَلٍ يَعْمَلُهُ لَا يُؤْجَرُ عَلَيْهِ ـ وَ لَا يَرْتَفِعُ دُعَاؤُهُ إِلَى السَّمَاءِ ـ لَيْسَ لَهُ حَظٌّ فِي دُعَاءِ الصَّالِحِينَ .وَ أَنَّهُ يَمُوتُ ذَلِيلًا ـ وَيَمُوتُ جَائِعاً ـ وَيَمُوتُ عَطْشَاناً ، فَلَوْ سُقِيَ مِنْ أَنْهَارِ الدُّنْيَا لَمْ يَرْوَ عَطَشُهُ . ويُوَكِّلُ اللهُ بِهِ مَلَكاً يُزْعِجُهُ فِي قَبْرِهِ . و يُضَيِّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ . و تَكُونُ الظُّلْمَةُ فِي قَبْرِهِ .وَ أَنْ يُوَكِّلَ اللهُ بِهِ مَلَكاً يَسْحَبُهُ عَلَى وَجْهِهِ ، وَ الْخَلَائِقُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ .و يُحَاسَبُ حِسَاباً شَدِيداً .و لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِ ، وَ لَا يُزَكِّيهِ ، وَ لَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ـ " (56)

یعنی؛میں نے اپنے والد گرامی رسول ﷺ خدا سے ان عورتوں اور مردوں کے بارے میں پوچھا جو نماز میں سستی اور کوتاہی کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو بھی مرد ہو یا عورت نماز میں کوتاہی اور غفلت کرئے گا اللہ تعالیٰ اُسے پندرہ بلاؤں میں مبتلا کردے گا۔

1) اللہ تعالیٰ اس کی عمر سے برکت اٹھالیتا ہے۔
2) اس کے رزق وروزی سے برکت ختم کردیتا ہے۔
3) اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے صالحین کے اثرات مٹادیتا ہے۔
4) جو عمل انجام دے گا اس کے اجر سے محروم رہے گا۔
5) اس کی دعا مستجاب نہیں ہوگی۔
6) صالحین کی دعا اس کے شامل حال نہیں ہوں گی۔
7) ذلیل ہو کر مرے گا۔
8) بھوکا مرے گا۔
9) پیاسا مرے گا اس طرح سے کہ اگر دنیا کی تمام نہریں بھی اُسے پلادی جائیں پھر بھی سیراب نہیں ہوگا اور تشنگی نہیں بجھے گی۔
10) اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو قبر میں اُسے عذاب دے گا۔
11) اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو تنگ فرمادے گا۔
12) اللہ تعالیٰ اس کی قبر تاریک فرمادے گا۔
13) اللہ تعالیٰ ایسا فرشتہ مقرر کرے گا جو (حشر میں) اُسے منہ کے بل گھسیٹے گا جبکہ تمام خلائق اُسے دیکھ رہی ہوں گی۔
14) اس کا حساب وکتاب بہت سخت ہوگا۔
15) اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا، اُسے پاکیزہ نہیں کرے گا۔ اور اس کے لئے درد ناک عذاب ہوگا۔

۲۔زکات

جناب سیدہؑ نے فرمایا: "وَ الزَّكَاةَ تَزْكِيَةً لِلنَّفْسِ وَ نَمَاءً فِي الرِّزْقِ" یعنی: "زکات کو نفس کی پاکیزگی اور مال وجان میں نشوونما اور روزی میں فراوانی کے لئے واجب قرار دیا۔"

جس طرح نماز انفرادی عمل اور خدا کی بارگاہ میں فریضے کی ادائیگی ہے اُسی طرح زکات اجتماعی ذمہ داری کی انجام دہی ہے جس قدر نماز کے اجتماعی اور معاشرتی پہلو ہیں اسی طرح زکات انسان کی روحانیت میں موثر ہے اس لئے نماز اور زکات کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: " بسم الله الرَّحمن الرَّحيم۔ الم۔ ذَلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۔ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ''(57)

قرآن ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، یہ راہ سعادت میں متقین کے لئے ہدایت ہے۔ غیب پر ایمان رکھنا، نماز قائم کرنا اور زکات ادا کرنا اس گروہ کی علامت ہیں۔ لہٰذا اطاعت اس کی واجب ہے جس میں نماز اور زکات عمل واحد کی صورت اختیار کر چکی ہوں اور یہ امر حضرت علیؑ کی شخصیت میں اجاگر اور متجلی ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: "إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ" (58)

زکات کا فلسفہ جان ومال کی طہارت و پاکیزگی ہے اور یہ مال میں نشو ونما اور بڑھاوا ہے۔ اگرچہ مال ودولت پر حریص افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ زکات کی ادائیگی مال میں کمی کا سبب ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ادائیگی ہی ہے جو مال میں افزائش پیدا کرتی ہے بالکل اس باغبان کی طرح جو درختوں کی شناخوں کو اس لئے کاٹتا ہے تاکہ ان کا پھل زیادہ ہو جائے یا اس مالی کی طرح جو پھولدار پودوں کے سروں کاٹتا ہے تاکہ ان کی نشو ونما اور بڑھتوی اچھے انداز سے ہو سکے۔

زکات بخشش اور سخاوت ہے اور بخل اور کنجوسی سے پرہیز کا نام ہے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اس بارے میں فرماتی ہیں:

قالت: قال لی رسول اللهﷺ: اياك والبخل، فانّها عاهةٌ لاتكون في كريم اّياك وَالبُخل فانّه شَجَرَةٌ فِي النَّار وَ اَغْصَانها فِي الدّنيا فَمَنْ تَعَلَّقَ بِغُصْن مِنْ اغصانها اَدْخَلهُ النَّار۔ (59)

آپؑ فرماتی ہیں: "پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: بخل اور کنجوسی سے اجتناب کریں؛ کیونکہ بخل ایسی آفت اور بلا ہے جو کسی کریم اور بزرگوار شخص میں روا نہیں ہے۔ بخل سے پرہیز کریں؛ یہ ایک ایسا درخت ہے جو دوزخ میں ہے اور اس کی شاخیں دنیا میں ہیں جو بھی اس کی شاخوں سے چمٹے گا وہ اسے دوزخ میں گرا دے گا۔"

آپؑ ایک اور حدیث بیان فرماتی ہیں: "قالت قال لی رسول اللهﷺ وعليك بالسخاء شَجَرَةٌ مِنْ اَشْجَارِ الجَنَّة، اَغْصَانها متدلية اِلیَ الاَرْضِ فَمَنْ اَخَذَ منها غُصناً قَادَهُ ذلك الغصنُ اِلی الجَنَّة۔" (60)

رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: سخاوت اختیار کرو کیونکہ سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی شاخیں زمین پر لٹکی ہوئی ہیں جو اس کی شاخ کو تھام لے گا وہ اُسے بہشت میں لے جائے گی۔

جود وسخاء کی صفت سے متصف ہونا اور بخل سے اجتناب صرف اس بنیادی عقیدے کی بنیاد پر ممکن ہے کہ روزی اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ پس ہمیں اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہیے۔ اس حوالے سے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: ایک دن رسول خدا ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میں وقت سحر نیند میں تھی آپؐ نے میرا پاؤں ہلایا، اور فرمایا: میری بیٹی! اٹھیں اور اپنے رب کی طرف سے روزق وروزی کو نازل ہوتا ہوا دیکھیں اور غافلوں میں سے نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان بندوں میں روزی تقسیم کرتا ہے۔ (61)

۳۔ روزہ

وَ الصِّيَامَ تَثْبِيتاً لِلْإِخْلَاصِ: روزے کو اخلاص کے اثبات کے لئے واجب قرار دیا ہے: قبولیت عمل کی شرط اخلاص ہے؛ کیونکہ میزان یعنی قیامت کے دن اعمال کو جانچنے کا ترازو حق ہے۔ " وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ " (62) یہ لامحدود اخلاص ہی ہے کہ جو عمل کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور صرف مخلصین ہی نجات کے راستے پر گامزن ہیں۔ قرآن میں آیا ہے: "قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ۔ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ"۔ (63)

جبکہ ریاکاری عمل کو تباہ وبرباد کرتی ہے اور اسے بے قیمت بناتی ہے۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: "وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا" (64) یعنی؛ اور (پھر) ہم ان اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے جو (بزعمِ خویش) انھوں نے (زندگی میں) کئے تھے تو ہم انہیں بکھرا ہوا غبار بنادیں گے۔

تمام عبادتی اعمال خلوص کے ساتھ انجام پانے چاہییں تاکہ ان کی قدر و قیمت ہو، ان عبادات میں سے روزہ خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں امساک (نو چیزوں سے پرہیز) کا پہلو ہے۔ جس کے بیرونی نظاہر دیگر عبادی اعمال سے کمتر ہیں۔ اس لئے روزے کی حکمتوں میں سے ایک اخلاص کے تحقیق کو ثابت کرنا ہے۔ اسی وجہ سے تمام الٰہی ادیان میں روزے کا خاص مقام ہے۔

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِینَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" (65)

"روزہ تم پر فرض کیا گیا ہے جس طرح پہلے والی اُمتوں پر واجب تھا شاید کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔"

روزہ تقویٰ کے لئے بہترین طریقے سے زمین ہموار کرتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ ہر روزہ دار متقی ہو لیکن روزہ دار میں تقویٰ کا امکان زیادہ ہوتا ہے پس تقویٰ کے خوبصورت لباس کو زیب تن کرنے کے لئے روزہ لازمی شرط ہے۔ اگرچہ کافی اور وافی شرط نہیں ہے۔ اخلاص، عمل کی شرط ہے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اس پر تاکید کی خاطر فرماتی ہیں:

مَنْ اَصْعَدَ اِلی اللہ خالص عبادته اَهبط اللہ الیه اَفْضَل مَصْلحتَه" (66)

جو بھی اپنی خلوص بھری عبادت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ارسال کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی اعلیٰ ترین مصلحت کو اس کی طرف بھیجے گا۔ فرمایا:

"مایصنع الصائم و بصیامہ اذالم یَصَنْ لِسانَهُ و سَمْعَهُ و بَصَرَهُ و جوارحه" (67)

جو روزہ دار روزے کی حالت میں اپنے زبان، کان، آنکھ اور اعضاء کی حفاظت نہ کرے وہ روزہ دار نہیں ہے۔

۴۔ حج

''وَالْحَجَّ تَشْیِیداً لِلدِّینِ'' یعنی: "حج کو دین کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کلمہ توحید کی عظمت اور سربلندی کے لئے قرار دیا۔"

فروعات دین میں سے ایک مناسک حج کا انجام دینا ہے۔ حج کا فلسفہ کیا ہے یہ موضوع قدیم سے محققین کی توجہ کا مرکز رہا ہے اس پر بہت زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں ہر صاحب استطاعت مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ اس عادت کو انجام دے۔ ارشاد ربانی ہے:

"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَیْهِ سَبِیلاً'' (68)

یہ اعمال ہر سال معین ایام میں "الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ" (69) اور خاص مقام (مکہ) میں انجام دیئے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے "وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِی جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِیهِ وَالْبَادِ" (70) یہ مناسک اسلام کی عظمت اور شعائر دینی کی سربلندی کو ظاہر کرتے ہیں۔ قرآن میں آیا ہے: "ذَٰلِكَ وَمَن یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللہِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِیَذْكُرُوا اسْمَ اللہِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِیمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ" (71)

حج توحید کا مظہر سمبل (Symbol) ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام توحید کی علامت اور فرامین الٰہی کی خالص اطاعت کا نشان تھے۔ حج حضرت ابراہیمؑ کی میراث ہے۔ قرآن فرماتا ہے: " وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِیمَ مَكَانَ الْبَیْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِی شَیْئًا وَطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّائِفِینَ وَالْقَائِمِینَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ" (72) یعنی: اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے بیت اللہ (یعنی خانہ کعبہ کی تعمیر) کی جگہ کا تعین کر دیا (اور انہیں حکم فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کو (تعمیر کرنے کے بعد) طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھنا۔

یہ مناسک پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعے سے دوبارہ زندہ ہوئے۔ توحید کلمہ (اتحاد وحدت) کے ذریعے کلمہ توحید کی عظمت کو اجاگر کیا۔ ارشاد ہوتا ہے: "لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ" (73) یعنی: تاکہ وہ اپنے فوائد (بھی) پائیں اور (قربانی کے) مقررہ دنوں کے اندر اللہ نے جو مویشی چوپائے ان کو بخشے ہیں ان پر (ذبح کے وقت) اللہ کے نام کا ذکر بھی کریں۔

۵۔ عدل

"وَالْعَدْلَ تَنْسِيقاً لِلْقُلُوبِ وَ طَاعَتَنَا نِظَاماً لِلْمِلَّةِ"۔ یعنی: "اور عدل کو اللہ تعالیٰ باہمی روابط اور دلوں کو جوڑنے کے لئے قرار دیا"

عدل الٰہی کا عقیدہ تمام شیعوں اور بعض اہل سنت کے فرقوں کا عقیدہ ہے، جس کی بنیاد آیات قرآن اور روایات ہیں۔ عدل الٰہی پر ایمان و عقیدہ معاشرتی، عدل وانصاف کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اسی وجہ سے انسانیت کی تاریخ میں یہ دونوں ایک ساتھ رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی نفی دوسرے کا انکار شمار کیا گیا ہے معاشرتی عدل کا نفاذ، حدود وقیود کی پابندی اور دوسرے افراد کے قانونی حقوق کا خیال رکھنا۔ لوگوں کے درمیان اچھے تعلقات اور صحیح روابط کا باعث بنتا ہے جس کا نتیجہ تالیف قلوب ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس ظلم معاشرے کو پراکندہ اور معاشرتی تعلقات کی بنیادیں اکھیڑ دیتا ہے ارشاد الٰہی ہے: " إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ "یعنی؛ بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے۔ (74)

" وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ "یعنی: اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل وانصاف کروں۔ (75)

"فَلاَ تَتَّبِعُواْ الْهَوَى أَن تَعْدِلُواْ "یعنی: سو تم خواہشِ نفس کی پیروی نہ کیا کرو کہ عدل سے ہٹ جاؤ (گے)۔ (76)

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ لِلّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ "یعنی: اے ایمان والو! اللہ کے لئے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے، اور اللہ سے ڈرا کرو، بیشک اللہ تمہارے کاموں سے خوب آگاہ ہے۔ (77)

" يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ "یعنی: جس کی نسبت تم میں سے دو عادل شخص فیصلہ کریں۔ (78)

" وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُواْ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى "یعنی: اور جب تم (کسی کی نسبت کچھ) کہو تو عدل کرو اگرچہ وہ (تمہارا) قرابت دار ہی ہو۔ (79)

" وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ "یعنی: اور تمہارے درمیان جو لکھنے والا ہو اسے چاہئے کہ انصاف کے ساتھ لکھے۔ (80)

" إِنَّ اللّهَ لاَ يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ "یعنی: بیشک اللہ ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (81)

" إِنَّ اللّهَ لاَ يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ "یعنی: بیشک اللہ لوگوں پر ذرّہ برابر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ (خود ہی) اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (82)

" فَمَا كَانَ اللّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِن كَانُواْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ "یعنی: پس اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ (انکارِ حق کے باعث) اپنے اوپر خود ہی ظلم کرتے تھے۔ (83)

" وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا "یعنی: اور ہم قیامت کے دن عدل وانصاف کے ترازو رکھ دیں گے سو کسی جان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔ (84)

عدل پر ایمان کا مطلب، میزان اور اعمال کے معیار کی کسوٹی کا عقیدہ ہے جس کا نتیجہ عمل میں یہ ہوتا ہے کہ اعمال ان معیارات کے مطابق انجام پاتے ہیں۔ اس وجہ سے عدل کو مستقلات عقلیہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شارع مقدس اس کی تائید فرماتا ہے اور ضمانت دیتا

ہے نہ کہ اس کو ایجاد کرتا ہے اور وجود میں لاتا ہے عدل کا عقیدہ، متکلمین کی اصلاح میں "حسن وقبح ذاتی یا عقلی" کی بحث کا نتیجہ گردانا جاتا ہے اور اس پر کئی اور اثراب مرتب ہوتے ہیں۔

۶۔اولی الامر کی اطاعت

وَ طَاعَتَنَا نِظَاماً لِلْمِلَّةِ وَ إِمَامَتَنَا أَمَاناً لِلْفُرْقَةِ ۔ یعنی: "ہمارے خاندان کی اطاعت کو اجتماعی امور کی بطریق احسن انجام دہی اور ہم اہل بیتؑ کی امامت کو اختلافات، تفرقہ بازی اور لغزشوں سے حفظ وامان اور بچاؤ کے لئے قرار دیا۔ ارشاد رب العزت ہے:

"أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ" (85)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور اہل بیت علیہم السلام کی اطاعت ورہبری کیوں لازمی اور واجب ہے اس بارے میں کلامی موضوعات میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے اور اس پر متقن دلائل دیئے گئے ہیں۔ امامت پر نص اور تصریح، نبوت خاتم کے تسلسل اور دوام کا بہترین راستہ ہے۔

امامت کو ثابت کرنے کے لئے حکماء یعنی فلاسفہ وہی دلیل پیش کرتے ہیں جو نبوت کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے۔ اور وہ اجتماعی نظام کی حفاظت ہے۔ اس لئے اجر رسالت ذوالقربیٰ کی محبت ومودت کو قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ" (86)

اس کا فائدہ بھی لوگوں کو ہی ہے کیونکہ یہ مودت ہدایت کے راستے کی طرف راہنمائی کا سبب ہے۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

قال لی رسول اللہ (ص) یا فاطمة مَن صَلی عَلَيْكِ غَفَرَ اللہُ لَه وَ اَلْحَقَهُ بِی حَيْثُ كُنْتُ مِنَ الجَنَّةِ۔ (87)

رسول خدا ﷺ نے مجھے فرمایا: جو بھی آپؑ پر درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اُسے بخش دے گا اور جنت میں جہاں میں ہوں گا وہیں اُسے اللہ تعالیٰ محمد ﷺ سے ملحق فرمائے گا۔

ایک اور حدیث بیان فرمائی: قالت: قال رسول اللہ (ص) اَيّما رَجُل صَنَعَ اِلیٰ رَجُل مِن وُلدِی صَنِيْعَةً فَلَمْ يُكَافِئَه عَلَيْهَا فانَّا المُكَافِی لَهُ عَلَيْهَا۔ (88)

آپ رسول اللہ ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی میری اولاد میں کسی کا کوئی کام انجام دے گا اور اس سے معاوضہ نہیں لے گا تو میں اُسے اس کا معاوضہ دوں گا۔

آپؑ مزید حدیث بیان کرتی ہیں: "قالت: اِنَّ اَبِی (ص) نَظَرَ اِلی عَلی علیه السلام وقال: هذا و شيعَتُهُ فِی الجَنَّةِ"۔ (89)

آپؑ نے فرمایا میرے بابا نے علیؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا: یہ اور ان کے شیعہ بہشت میں ہیں۔

انہوں نے ایک اور حدیث بیان فرمائی: "قالت: قَالَ لِی اَبِی مَنَ سَلَمَ عَلَیَّ وَعَلَيكِ ثَلَاثَةَ ايّامٍ فَلَهُ الجنَّة"۔ (90)

میرے بابا نے مجھے فرمایا جو شخص مجھ پر اور آپ پر تین دن سلام بھیجے اس پر جنت واجب ہے۔

۷۔ جہاد

"وَ الْجِهَادَ عِزّاً لِلإِسْلَامِ" یعنی: اور جہاد کو ملت اسلامیہ کی عزت، وقار اور سربلندی کے لئے قرار دیا۔

اللہ کی راہ میں جہاد فروعات دین میں سے ایک ہے۔ جہاد بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے لئے کھولا ہے۔ جہاد مسلمانوں کی عزت، سرفرازی اور افتخار کا باعث ہے۔ عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: "فَإِنَّ العِزَّةَ لِلّهِ جَمِيعًا" (91)۔ "إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّهِ جَمِيعًا"۔ (92)

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عزت سے نوازتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ۔۔۔" (93)

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے ہر گز ذلت قرار نہیں دی۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے: "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ" (94)

" وَلَن يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلاً" (95) یعنی: اللہ تعالیٰ مومنین پر کافروں کے تسلط پر ہر گز راضی نہیں ہے اس لئے ان کے لئے کوئی راستہ نہیں دیا گیا۔

اس پروگرام کو عملی جامعہ پہنانے کے لئے کفار کے غلبہ اور تسلط کے لئے تمام راستوں کو بند کردینا چاہیے اور مؤمنین کی عزت اور تسلط کو برقرار رکھنے کے لئے جہاد بہترین ذریعہ ہے۔ اس لئے جہاد مؤمنین پر واجب کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے دور میں جہاد ابتدائی ان کی اجازت سے واجب تھا اور جہاد دفاعی مسلم معاشرے کے ہر فرد پر واجب ہے اور اس جہاد کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

رسول خدا ﷺ کے زمانے میں تنزیل قرآن پر جنگیں لڑی گئیں اور امام علی علیہ السلام کے دور میں جنگیں تاول قرآن پر ہوئیں۔ تاریخ اسلام کا اہم ترین حصہ انہی جنگوں کے واقعات پر مشتمل ہے۔ ان جنگوں کا نتیجہ اسلام کا پھیلاؤ اور اس کا استحکام تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوا۔ مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہوا اور مدینۃ النبی ﷺ کی تشکیل ہوئی۔ اس لئے مجاہدین پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں ہوئیں اور ان کے لئے اجر عظیم قرار دیا گیا۔ یہاں تک کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کی تعمیر جیسے اہم امور کو جہاد کے مقابلے میں آسان و سہل بیان کیا گیا۔ ارشاد ہوا:

"أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ" (96)

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں مجاہدین کے شامل حال ہو سکیں۔

"وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أُولَـئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ" (97)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے بلند درجات ہیں۔

"الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللّٰهِ۔۔۔" (98)

مجاہدین اللہ تعالیٰ کے راستے پر ہدایت یافتہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے:

"وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔۔۔" (99)

وہ ہدایت جس کا مؤمنین ہر روز کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں۔

"اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" (100)

پس جہاد کا حق ادا کرنا چاہیے۔ فرمایا: "وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ" (101)

۸۔ صبر

" وَالصَّبْرَ مَعُونَةً عَلَى اسْتِيجَابِ الْأَجْرِ " یعنی: صبر کو اللہ تعالیٰ اجر وثواب عطا کرنے کے لئے قرار دیا ہے۔

صبر دین کی اخلاقی اور عرفانی تعلیمات اور احکامات میں سے ہے اور اسے دین کے لئے بمنزلہ سر قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی اخلاق کی کتابوں میں صبر کے موضوع، اس کی اقسام اور فوائد کے بارے میں بہت اعلیٰ اور بلند پایہ مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی اہم ترین اقسام مصیبت پر صبر، معصیت پر صبر اور عبادت میں صبر ذکر کی گئی ہیں۔

جناب سیدہ نے اجر کا مستحق ہونے کو صبر کا ثمر قرار دیا ہے کیونکہ انسان کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے، لیکن کمی وکاستی پر صبر سے وہ استحقاق پیدا کرلیتا ہے۔ اس لئے صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے فرمایا: "فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ"۔ (102)

صبر کے کچھ اثرات اور ثمرات ہیں۔ جیسے عمل صالح کی انجام دہی، رضائے الٰہی کا حصول اور نماز کو قائم کرنا، توکل علی اللہ، نجات اور کامیابی کا حصول، اور امر الٰہی کی ہدایت (103) اس لحاظ سے صبر کا فائدہ خود انسان کی طرف لوٹتا ہے ۔ ارشاد ربانی ہے:"وَأَن تَصْبِرُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔"(104)

اگرچہ صبر کرنا ایک مشکل امر ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے:"فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ "(105)

صبر اور نماز سے مدد لینا ایک قرآنی حکم ہے اور صبر کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے:"وَاسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلاَّ عَلَى الْخَاشِعِينَ"(106)

۹۔ نیکی کا حکم دینا

جناب سیدہؑ نے فرمایا:"وَالْأَمْرَبِالْمَعْرُوفِ مَصْلَحَةً لِلْعَامَّةِ"یعنی:امر بالمعروف کو عمومی فائدے اور مصالح کے لئے قرار دیا ہے۔

دینی واجبات میں سے ایک اور واجب نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے، اس کے واجب ہونے کا سبب عمومی مصالح کی حفاظت ہے۔ دین اسلام کی خاتمیت اور دین میں عدم تحریف کی متعدد وجوہات میں ان میں سے ایک دین کے اصول وفروغ کا قابل اطاعت ہونا ہے۔ امامت ایسا اصول ہے جو دین کی حفاظت کے لئے مدّ نظر رکھا گیا ہے امر بہ معروف اور نہی از منکر فروعات دین میں سے ہے۔

اس واجب الٰہی کی انجام دہی کو اللہ پر ایمان، اقامہ نماز اور حدود الٰہی (107) کی حفاظت کے ہم پلہ قرار دیا گیا ہے۔ امت مسلمہ کی دیگر امتوں پر برتری اس فریضہ الٰہی کی ادائیگی کی مرہون منت ہے۔ قرآن فرماتا ہے:"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ۔"(108)

امر بہ معروف اور نہی از منکر کی کچھ شرائط اور درجات ہیں جن کا ذکر فقہی، اخلاقی اور عرفانی کتب میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح طرح یہ مسئلہ معتزلہ کے اصول میں سے ہے اور شیعہ مذہب کے فروعات میں شامل ہے۔ جس پر کلامی کتابوں میں مفصل گفتگو ہوئی ہے۔

۱۰۔ والدین سے نیکی

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:"وَبِرَّ الْوَالِدَيْنِ وِقَايَةً مِنَ السُّخْطِ"یعنی:اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ نیکی کو اپنے غضب سے بچاؤ کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

والدین سے نیکی اور حسن سلوک اسلامی اخلاقی تعلیمات کا روشن پہلو ہے۔ قرآن کریم میں اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اولاد سے نیکی بشر کی فطرت میں ہے۔ اس لئے اس بارے میں انسانوں کو اولاد سے خود نیکی اور احسان کی تاکید نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس کی مصادیق کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد کے مصلحتوں کو تشخیص نہ دینے کی بنیاد پر کہیں وہ یہ چاہتے ہوئے اولاد کے نقصان اور ضرر کے اسباب مہیا نہ کردیں۔ للذا اولاد سے حد سے زیادہ وابستگی اور محبت سے خبردار کیا گیا ہے۔ فرمایا:

"لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلاَ أَوْلاَدُهُم مِّنَ اللّهِ شَيْئًا وَأُولَـئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ "-(109)اور "فَلاَ تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلاَ أَوْلاَدُهُمْ ۔۔۔"(110)

لیکن ماں باپ کے متعلق نیکی واحسان کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے مبادا اولاد ان سے غفلت برتے اور ان کے حقوق ادا نہ کرے۔ والدین سے حسن سلوک کو عبادت الٰہی کے بعد دوسرا درجہ دیا گیا ہے۔"لاَ تَعْبُدُونَ إِلاَّ اللّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً"یعنی: اللہ کے سوا (کسی اور کی) عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔(111)۔"وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا "یعنی اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو(112)۔" أَلاَّ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا "یعنی:

یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو (113)۔'' وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا''یعنی: اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو۔(114)

انسان کو اپنے ماں باپ کی محبتوں کی قدر جاننی چاہیے اور شکر گذار ہونا چاہئے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر گذار ہوتا ہے۔فرمان الٰہی ہے:"أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ۔۔۔"یعنی: تو میرا (بھی) شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ (تجھے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔(115)

انسان کو والدین سے نیکی کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا"یعنی: اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم فرمایا۔(116)

نیکی واحسان کے مصادیق میں سے ایک ان کے لئے مغفرت طلب کرنا ہے۔قرآن کے مطابق یوں کہیں: "رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ"(117) ان تمام تاکیدات کی وجہ کیا ہے؟

جناب سیدہؑ غضب الٰہی سے امان کو والدین سے نیکی کا نتیجہ سمجھتی ہیں۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مجاز حقیقت کا پتہ دیتا ہے، پس جس کسی نے اپنے والدین کے غضب سے اپنے آپ کو بچا لیا۔اُس نے غضب الٰہی سے بھی نجات حاصل کر لی اور جس نے اپنے ماں باپ کی خدمات اور زحمات کی قدر دانی نہیں کی وہ حتماً اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کو بھی نہیں جانتا۔

۱۱۔صلہ رحم

''وَصِلَةَ الْأَرْحَامِ مَنْسَأَةً فِي الْعُمُرِ وَ مَنْمَاةً لِلْعَدَدِ''یعنی: صلہ رحم کو اس نے عزیز واقارب کے درمیان تعلقات وروابط اور قومی وحدت کے لئے قرار دیا ہے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں سے رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھنا ہے۔قرآن فرماتا ہے: "وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ"یعنی: اور جو لوگ ان سب (حقوق اللہ، حقوق الرسول، حقوق العباد اور اپنے حقوقِ قرابت) کو جوڑے رکھتے ہیں، جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے (118)

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا رشتہ داری کے دائرے کو اتنا وسیع سمجھتی ہیں کہ صلہ رحمی کا نتیجہ اور ثمرہ قومی وحدت قرار دیتی ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ انسان جو ذاتی خود غرضی کے دائرے سے نکل کر خاندان سے مربوط اور وابستہ ہو جاتا ہے اور پھر خاندان کے دائرے سے نکل کر اپنے شہر، ملک اور اُمت سے تعلق جوڑ لیتا ہے، وہ مفادات عامّہ اور قومی وحدت کا محافظ بن جاتا ہے۔وہ اپنے مفادات کو معاشرے کے عمومی مفادات اور مصالح پر قربان کر دیتا ہے۔

۱۲۔قصاص

فرمایا:''وَالْقِصَاصَ حَقْناً لِلدِّمَاءِ وَالْوَفَاءَ''

قصاص اسلام کے فقہی احکام میں سے ایک حکم ہے۔قرآن کی نظر میں قصاص کا فائدہ اجتماعی حیات کی حفاظت ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاْ أُولِي الأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ"یعنی: اور تمہارے لئے قصاص (یعنی خون کا بدلہ لینے) میں ہی زندگی (کی ضمانت) ہے اے عقلمند لوگو! تاکہ تم (خوں ریزی اور بربادی سے) بچو۔(119)

آیت صاحبان عقل وخرد سے مخاطب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی طور پر قصاص ایک طرح کی بے رحمی نظر آتی ہے۔ لیکن اگر اس کے فوائد میں غور وفکر کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ اجتماعی زندگی کی حفاظت، انفرادی زندگی کی حفاظت کئی درجہ بالاتر ہے۔ پس مجرم کو سزا دینا دیگر انسانوں کی جانوں کو بچانے کے لئے بہت ضروری امر ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ امر یعنی قصاص تقویٰ کا باعث ہے جس طرح روزہ کا فلسفہ تقویٰ کا حصول ہے۔ قصاص بھی اسی مقصد کے لئے واجب قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ ظاہری لحاظ سے قصاص اور روزے میں بہت زیادہ فرق ہے۔ لیکن حقیقت میں دونوں ایک ہی ہدف اور مقصد کے لئے مقرر کیے گئے ہیں البتہ اس فقہی حکم کے ساتھ ایک اور اخلاقی نصیحت میں بھی کی گئی ہے جو اس کی لطافت میں اضافہ کرتی ہے۔ فرمایا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالأُنثَى بِالأُنثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ" یعنی: اے ایمان والو! تم پر ان کے خون کا بدلہ (قصاص) فرض کیا گیا ہے جو ناحق قتل کئے جائیں، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر اگر اس کو (یعنی قاتل کو) اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ (یعنی قصاص) معاف کر دیا جائے تو چاہئے کہ بھلے دستور کے موافق پیروی کی جائے اور (خون بہا کو) اچھے طریقے سے اس (مقتول کے وارث) تک پہنچا دیا جائے، یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے، پس جو کوئی اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے (120)

یہ آیت مؤمنین کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتی ہے کبھی ایک مؤمن خطا اور غلطی کا مرتکب ہوتا ہے جس کا فقہی حکم قصاص ہے اور مقتول کے ورثاء کو حق حاصل ہے کہ وہ قصاص کا مطالبہ کرے لیکن اگر وہ اپنے حق کو چھوڑ دیں اور مجرم کو معاف کردیں تو انہوں نے نہ فقط یہ کہ کوئی برا کام نہیں کیا بلکہ انہوں نے نیک عمل انجام دیا ہے اور انہوں نے مجرم پر احسان کیا ہے۔ اس طرح کی رعایت اور تخفیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس قصاص کو انجام دینے میں کمی اور رعایت کا لحاظ کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو سزا میں کمی کی جائے تاکہ کہیں ان امور میں حدود سے تجاوز نہ ہو جائے اوز یادتی کا ارتکاب نہ ہو جائے۔

پس معلوم ہوا کہ قصاص کو اس لئے واجب کیا گیا ہے تاکہ حدود سے تجاوز، زیادتیوں اور اجتماعی طور پر زیادہ روی کو روکا جائے۔ البتہ اس حکم کو اجراء کرتے ہوئے معافی، تخفیف اور اور رعایت کا لحاظ ضرور رکھا جائے۔ اور یہ صاحب حق اور وارث کو اختیار ہے اور اس کا فیصلہ کرنا بھی انہی کا حق ہے۔

۱۳۔ نذر کو پورا کرنا

فرمایا: "وَالْوَفَاءَ بِالنَّذْرِ تَعْرِيضاً لِلْمَغْفِرَةِ" یعنی: نذر کو پورا کرنا مغفرت اور بخشش کے حصول کا باعث قرار دیا ہے۔

سعادت بشری کی ضامن قرآن کی تعلیمات میں سے ایک نذر کو پورا کرنا ہے جس کی بہت زیداہ تاکید کی گئی ہے۔ وفاء اور استیفاء کا معنی پورا کرنا اور بھر دینا ہے۔ وفاء کی قسمیں ہیں ان میں سے ایک یہی وفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنا ہے اس کا ایک نمونہ نذر کو پورا کرنا ہے جس کا مطلب اللہ تعالیٰ سے کیے گئے وعدے کو پورا کرنا ہے۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی نظر میں نذر کو پورا کرنے کا فائدہ مغفرت الٰہی کا حصول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو پورا کرنے کی جزا اللہ تعالیٰ کا انسان سے کیا گیا وعدہ کا پورا ہونا ہے۔ اور اللہ کا انسان سے وعدہ وہی مغفرت الٰہی ہے۔

"وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ۔۔۔" یعنی: اور تم جو کچھ (بھی) اللہ کی راہ میں خرچ کروگے تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔(121)

۱۴۔ ناپ تول پورا کرنا

پھر فرمایا: "وَ تَوْفِيَةَ الْمَكَايِيلِ وَ الْمَوَازِينِ تَغْيِيراً لِلْبَخْسِ" یعنی: اللہ تعالیٰ نے ناپ تول کو پورا کرنے کو باہمی اعتماد اور اموال کو نقصان وزیان سے بچانے کا ذریعہ بنایا ہے۔

ناپ تول کو پورا کرنے سے مراد اقتصادی معاملات کو مکمل درست اور دیانتداری سے انجام دینا ہے۔ یہ چیز بیچنے یا بنانے والے اور خریدنے والے یا خدمات لینے والے کے درمیان اعتماد کا سبب بنتی ہے اور یہ باہمی اعتماد معاشی ترقی اور معاشرے کے افراد کے ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ اس وجہ سے اسلام میں اس پر بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: " وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذا كِلْتُمْ وَزِنُواْ بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ "یعنی: اور ناپ پورا رکھا کرو جب (بھی) تم (کوئی چیز) ناپو اور (جب تولنے لگو تو) سیدھے ترازو سے تولا کرو۔(122)

معاشرتی لحاظ سے ایک اور خرابی یہ ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنے والے یا گرانفروشی کرنے والے دوسروں سے انصاف اور دیانتداری کی توقع رکھتے ہیں۔ قرآن ان کی اس خاصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں مطفف (ناپ تول میں کمی کرنے والا) کہتا ہے اور ان کے لئے "ویل (جہنم کی ایک وادی) کی نوید سناتا ہے کیونکہ یہ اپنے عمل کی برائی سے آگاہ ہیں اور اپنی فطرت اور عمل کے برخلاف عمل انجام دیتے ہیں۔ پس ان کی حالت ان سے کہیں بدتر ہے جو اپنے عمل کی برائی سے واقف نہیں ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: "وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ۔ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُواْ عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ۔ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ۔ أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ "یعنی: بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے، یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں، اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں، کیا یہ لوگ اس بات کا یقین نہیں رکھتے کہ وہ (مرنے کے بعد دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔(123)

اس عمل کا نتیجہ ایک طرح سے قیامت سے انکار کی صورت میں نکلتا ہے اس لئے اس پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

۱۵۔ شراب خوری کی ممانعت

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں: " وَ النَّهْيَ عَنْ شُرْبِ الْخَمْرِ تَنْزِيهاً عَنِ الرِّجْسِ "یعنی: شراب پینے سے نہی رجس اور پلیدی سے دور رہنے کے لئے کی گئی ہے۔

شراب خوری ان حرام کاموں میں سے ہے جن کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دیگر برائیوں اور آلودگیوں کو یہ اپنے ساتھ لاتی ہے۔ پس اس سے اجتناب کا مطلب گندگی اور نجاستوں سے دوری اختیار کرنا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ "یعنی: شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے۔(124)

شراب خوری اور جوئے کا سب سے بڑا نقصان لوگوں کے درمیان دشمنی اور عداوت ہے حالانکہ دین کا ہم و غم اخوت، دوستی اور بھائی چارے کا قیام ہے۔ پس شیطان ان محرمات کے ارتکاب کی تاویل اور توجیہ کرتا ہے تاکہ اس ذریعے سے دشمنی ایجاد کرے اور خرابی پیدا کرے۔ قرآن مجید اس شیطانی توجیہ کے جواب میں فرماتا ہے: " يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا" یعنی: آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں ان کے جواب میں کہو کہ یہ ایک عظیم گناہ ہے البتہ اس کے کچھ فوائد بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدہ سے کئی گناہ زیادہ ہے۔(125)

۱۶۔ الزام تراشی اور تہمت لگانے سے اجتناب

"جناب سیدہ نے فرمایا: وَاجْتِنَابَ الْقَذْفِ حِجَاباً عَنِ اللَّعْنَةِ "یعنی: کسی پر ناروا الزام لگانا سے اجتناب کو لعنت سے بچنے کے لئے پردہ قرار دیا ہے۔

محرمات الٰہی میں سے ایک اور کسی پر بدکاری کا الزام اور تہمت لگانا ہے کیونکہ لوگوں کی آبرو ریزی کرنا اور الزام لگانا تو آسان کام ہے۔ اگرچہ وہ جرم ثابت نہ ہی ہو، لیکن جو عزت چلی جائے وہ دوبارہ لوٹ کر نہیں آتی اس لئے اسلام نے اس سے نہایت سختی سے منع کیا ہے اور قذف (بدکاری کی تہمت لگانے) پر سخت سزا مقرر کی ہے تاکہ لوگ ثبوت اور دلیل کے بغیر دوسروں کی آبرو سے کھیلنے کی جرات نہ کر سکیں۔ ناروا تہمت لگانے سے اللہ اور بندوں کی لعنت پڑتی ہے پس لعنت اور پھٹکار سے بچنے کے لئے قذف سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۱۷۔ چوری سے بچنا

"بی بی ارشاد فرماتی ہیں: وَتَرْکَ السَّرِقَةِ اِیجَاباً لِلْعِفَّةِ" یعنی: "چوری سے اجتناب کو عفت و پاکیزگی اور اجتماعی امن وامان کے لئے قرار دیا"
چوری ایک ایسی معاشرتی برائی ہے جو اکثر معاشروں میں عام ہے۔ معاشرتی امن وامان کے قیام کے لئے قرآن مجید نے خاص احکام مقرر فرمائے ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کا ابتداء ہی سے چوری سے بچنے پر زور دیا گیا ہے اور اِسے بیعت رضوان کے معاہدہ کی شرائط میں شرک نہ کرنے کی شرط کے ساتھ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: "یُبَایِعْنَکَ عَلَىٰ أَن لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَلَا یَسْرِقْنَ۔۔۔" یعنی: اس بات پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی۔ (126)
یہ اس مطلب کو بیان کرتی ہے کہ اس وقت چوری نہ فقط مردوں میں بلکہ عورتوں میں بھی رائج اور عام تھی چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ سے بیعت کرتے ہوئے عورتوں نے بھی شرک نہ کرنے کے ساتھ چوری نہ کرنے پر عہد پیمان باندھا۔ اسلام نے اس معاشرتی برائی کے خاتمے کے لئے عملی راہ حل بیان کئے ہیں اور وہ چور کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹنا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ قرآن مجید بیان فرماتا ہے:
"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا أَیْدِیَهُمَا جَزَاءً بِمَا کَسَبَا" یعنی: اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اس (جرم) کی پاداش میں جو انہوں نے کمایا ہے۔ (127)
مذکورہ آیت مجیدہ میں سارق کو سارقہ سے پہلے ذکر کرنے میں ظریف نکات پوشیدہ ہیں خصوصاً دوسری آیت میں زانی کا زانیہ سے پہلے تذکرہ کے لحاظ سے۔

نتیجہ: اس مقالے میں درج ذیل قابل توجہ نکات کو بیان کیا گیا ہے۔

1) انسان کے لئے اُسوہ اور نمونہ عمل کی ضرورت اور اہمت
2) عقائد اور اعمال میں مطابقت کا لازمی ہونا
3) قرآن مجید اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے بیانات کی روشنی میں احکام کا فلسفہ بیان کرنا۔

ان کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ عملی تربیت اور تعلیم کا اہم ترین ذریعہ نمونہ عمل کی پیروی ہے اور انسان کی فطری ضروریات میں سے ایک اس کے سامنے سیرت و کردار کا ماڈل کا ہونا ہے۔ اس لحاظ سے ان ہسیتوں کی پیروی کرنا چاہیے جو راستے کو جانتے اور پہنچانتے ہوں اور خود اس راستے کو طے کر چکے ہوں بصورت دیگر ہم منحرف اور گمراہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے: انسان کامل دوسرے انسانوں خواہ مرد ہوں یا عورت، کے لئے نمونہ اور اُسوہ ہیں۔
خطبہ فدک اعلیٰ وارفع مطالب کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ، تمام انسان پہلوؤں سے حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کے مقام مرتبے کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ یہ مقام و مرتبہ علم و عرفان، احساس ذمہ داری، اور سازندگی کی تمام بلندیوں اور مدارج کا حامل ہے۔ آپؑ فرماتی ہیں:
"اِعلموا انّی فاطمة" جان لیں! میں فاطمہؑ ہوں۔
یہ خطبہ آیات الٰہیہ کی تفسیر و تبیین ہے۔ چنانچہ جناب سیدہ نے اصول دین کی پہلی اصل اور بنیاد معرفت اللہ کو قرار دیا ہے اور سعادت بشری کا معیار اور کسوٹی عقیدے اور عمل میں مطابقت اور ہم آہنگی کو قرار دیا ہے۔
کلامی مباحث میں دین اور امانت الٰہی کو قبول کرنے کو دینداری کی بنیاد قرار دیا ہے آخری دین کی پیروی، قرآن مجید اور ولی ناطق پر ایمان کو بعنوان اصل نبوت و امامت ذکر کیا ہے تعالیم قرآنی پر مقید ہونے اور عمل کرنے کے لئے شناخت قرآن کو بنیاد قرار دیا ہے۔ شرک سے اجتناب اور توحید پر ایمان کو احکام دینی پر عمل کی بنیاد قرار دیتے ہوئے عقیدے کو عمل کے لئے اساس بنایا ہے اسی طرح احکام الٰہی کی حکمتوں اور مصلحتوں کے بیان کو عمل کی بنیاد بیان کیا ہے۔

احکام اسلامی میں سے اہم ترین کو ان کے فلسفے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے نماز، زکات، روزہ، حج، عدل وانصاف، اولی الامر کی اطاعت، جہاد، صبر، نیکی کا حکم دینا، والدین سے نیکی، صلہ رحمی، قصاص، نذر کو پورا کرنا، ناپ تول کو پورا کرنا، کم فروشی اور گرانفروشی کی ممانعت، شراب خوری سے ممانعت وغیرہ۔

یہ وہ تمام امور ہیں جن کی بیناد پر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو مفسر قرآن کہا جاتا ہے، کیونکہ جو کچھ انہوں نے بیان فرمایا ہے وہ قرآنی تعلیمات اور مفاہیم کا ہی بیان ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ سورۂ احزاب، آیت ۲۱

2۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۰۔ (یعنی؛ تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

3۔ سورۂ ممتحنہ، آیت ۴۔ (یعنی؛ بیشک تمہارے لئے ابراہیم (علیہ السلام) میں اور اُن کے ساتھیوں میں بہترین نمونۂ (اقتداء) ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور اُن بتوں سے جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو بالکل بیزار ہیں، ہم نے تم سب کا کھلا انکار کیا ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت وعناد ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو چکا، یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔)

4۔ سورۂ یونس، آیت ۳۵۔ (یعنی؛ آپ (ان سے دریافت) فرمایئے: کیا تمہارے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف رہنمائی کر سکے، آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی (دینِ) حق کی ہدایت فرماتا ہے، تو کیا جو کوئی حق کی طرف ہدایت کرے وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے یا وہ جو خود ہی راستہ نہیں پاتا مگر یہ کہ اسے راستہ دکھایا جائے (یعنی اسے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جائے جیسے کفار اپنے بتوں کو حسبِ ضرورت اٹھا کر لے جاتے)، سو تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسے فیصلے کرتے ہو)

5۔ دیوان حافظ۔ غزل نمبر ۴۸۸

6۔ سورۂ تحریم، آیت ۱۲،۱۱۔ (اور اللہ نے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں زوجۂ فرعون (آسیہ بنت مزاحم) کی مثال بیان فرمائی ہے، جب اس نے عرض کیا: اے میرے رب! تو میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا دے اور مجھ کو فرعون اور اُس کے عملِ (بد) سے نجات دے دے اور مجھے ظالم قوم سے (بھی) بچا لے۔ اور (دوسری مثال) عمران کی بیٹی مریم کی (بیان فرمائی ہے) جس نے اپنی عصمت وعفّت کی خوب حفاظت کی تو ہم نے (اس کے) گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے فرامین اور اس کی (نازل کردہ) کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی)

7۔ سورۂ اعلیٰ، آیت ۱۷۔ (حالانکہ آخرت (کی لذت وراحت) بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔)

8۔ سورۂ احزاب، آیت ۳۳

9۔ مناقب ابن شہرآشوب ج ۳، ص ۳۵۷؛ شہید اول، المزار، ص ۲۰؛ سید بن طاووس، اقبال الاعمال، ص ۱۰۰-۱۰۲

10 ۔ طبرسی، الاحتجاج علی اہل اللجاج، ج ۱، ص ۹۹

11۔ سورۂ حمد۔ آیت ۱

12۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۳۴

13۔ سورۂ معائدہ، آیت ۷

14۔ سورۂ انبیاء، آیت ۵۶

15۔ سورۂ علق، آیت ۵

16۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۲

17۔ سورۂ کہف، آیت ۱۰۹

18۔ سورۂ حدید، آیت ۳
19۔ سورۂ اخلاص، آیت ۱
20۔ سورہ اخلاص، آیت ۲
21۔ سورۂ انعام، آیت ۱۰۳
22۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۱
23۔ ایضاً، آیت ۳۱،۳۲
24۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۷۹
25 ۔ طبرسی، الِاحتجاج علی اہل اللجاج، ج ۱، ص ۱۰۰
26 ۔ سورۂ احزاب آیت ۷۲
27۔ دیوان حافظ، غزلیات، غزل نمبر: 184
28 ۔ سورۂ آل عمران: ۱۱۰
29 ۔ طبرسی، الِاحتجاج علی اہل اللجاج، ج ۱، ص ۱۰۰
30 ۔ اعراف: ۱۷۲
31 ۔ عنکبوت: ٦٥
32 ۔ سورۃ الغاشیہ: ۲۱۔۲۲
33 ۔ سورۂ نجم: ۱۰
34 ۔ سورۂ مائدہ: ٦۷
35 ۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۹
36 ۔ مسند احمد، جلد ۲، ص ۱۴، ط اوّل
37 ۔ طبرسی، الِاحتجاج علی اہل اللجاج، ج ۱، ص: ۱۰۰
38 ۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۳۳
39 ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۔۲
40 ۔ سورۂ نحل، آیت ۸۹
41 ۔ سورۂ آل عمران، آیت ۷
42 ۔ طبرسی، الِاحتجاج علی اہل اللجاج، ج ۱، ص ۱۰۰
43 ۔ ایضاً
44 ۔ سورہ فاتحہ: ٦
45 ۔ سورۂ انفال، آیت ۱۷
46 ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۵٦
47 ۔ سورۂ کافرون، آیت ۱۔٦
48 ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۴
49 ۔ سورہ اعراف، آیت ۱۲
50 ۔ سورۂ اعراف، آیت ۱٦
51 ۔ سورۂ حجر، آیت ۳۸۔۴۲
52 ۔ ایضاً، آیت ۴۰
53 ۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۴۴
54۔ کشکول: شیخ بہائی
55 ۔ سورۂ ماعون، آیت ۴۔۵

56 ۔الہمدانی ،احمد الرحمانی، فاطمہ الزہراء بھجۃ قلب مصطفیٰ ،ج۱،ص۲۳۵ ۔ مجلسی ، باقر، بحار الانوار (الجامعۃ لدرر اخبار الائمۃ الأطہار (علیہم السلام)) : ج ۸۰ / ص۲۱،طبعۃ مؤسسۃ الوفاء ، بیروت/لبنان، سنۃ: 1414 ھ

57 ۔ سورۂ بقرہ،آیت ا۔۳

58 ۔ سورۂ مائدہ،آیت ۵۵

59 ۔الہمدانی ،احمد الرحمانی، فاطمہ الزہراء بھجۃ قلب مصطفیٰ ،ج۱،ص۲۶۶

60 ۔ایضاً

61 ۔ مسند فاطمۃ الزہراء، ص۲۱۵

62 ۔ سورۂ اعراف،آیت ۸

63 ۔ سورۂ ص،آیت ۸۳،۸۲

64 ، سورۂ فرقان،آیت ۲۳

65 ۔ سورۂ بقرہ،آیت ۱۸۳

66 ۔الہمدانی ،احمد الرحمانی، فاطمہ الزہراء بھجۃ قلب مصطفیٰ ،ج۱،ص۲۶۵

67 ۔ایضاً، ص۳۰۵

68 ۔آل عمران،آیت ،۹۷

69 ۔ سورۂ بقرہ،آیت ۱۹۷

70 ۔ سورۂ حج،آیت ۲۵

71 ۔ سورۂ حج،آیت ۳۲۔۳۴

72 ۔ سورۂ حج،آیت ۲۶

73 ۔ سورۂ حج،آیت ۲۸

74 ۔ سورۂ نحل،۹۰

75 ۔ سورہ شوریٰ،آیت ۱۵

76 ۔ سورۂ نساء،آیت ۱۳۵

77 ۔ سورۂ مائدہ،آیت ۸

78 ۔ سورۂ مائدہ،آیت ۹۵

79 ۔ سورۂ انعام،آیت ۱۵۲

80 ۔ سورۂ بقرہ،آیت ۲۸۲

81 ۔ سورۂ نساء،آیت ۴۰

82 ۔ سورۂ یونس،آیت ۴۴

83 ۔ سورۂ توبہ،آیت ۷۰

84 ۔ سورۂ انبیاء،آیت ۴۷

85 ۔ سورۂ نساء،آیت ۵۹

86 ۔ سورۂ شوریٰ،آیت ۲۳

87 ۔ الہمدانی ،احمد الرحمانی، فاطمہ الزہراء بھجۃ قلب مصطفیٰ ،ج۱،ص۲۸۷

88 ۔ مجلسی، محمد باقر،بحارالانوار، ج۹۶،ص۲۲۵

89 ۔احقاق الحق،ج۷، ص۳۰۸

90 ۔ الہمدانی ،احمد الرحمانی، فاطمہ الزہراء بھجۃ قلب مصطفیٰ ،ج۱،ص۲۶۷

91 ۔ سورۂ نساء،آیت ۱۳۹

92 ۔ سورۂ یونس،آیت ۶۵

93 ۔ سورۂ آل عمران، آیت ۲۶

94 ۔ سورۂ منافقون، آیت ۸

95 ۔ سورۂ نساء ط، آیت ۱۴۱

96 ۔ سورۂ توبہ، آیت ۱۹

97 ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۸

98 ۔ سورۂ توبہ، آیت ۲۰

99 ۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۶۹

100 ۔ سورۂ حمد، آیت ۵

101 ۔ سورۂ حج، آیت ۷۸

102 ۔ سورۂ احقاف، آیت ۳۵

103 ۔ دیکھئے: سورۂ ہود، آیت ۱۱، سورۂ رعد، آیت ۱۲، سورۂ نحل، آیت ۴۴، سورۂ مومنون، آیت ۱۱۱، سورۂ سجدہ، آیت ۲۴۔

104 ۔ سورۂ نساء، آیت ۲۵

105 ۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۶

106 ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۴۵

107 ۔ دیکھئے: سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۰، سورۂ توبہ، آیت ۱۱۲، ۷۱

108 ۔ سورۂ آل عمران، ۱۱۰

109 ۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰

110 ۔ سورۂ توبہ، آیت ۵۵

111 ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۸۳

112 ۔ سورۂ نساء، آیت ۳۶

113 ۔ سورۂ انعام، آیت ۱۵۱

114 ۔ سورۂ اسراء، آیت ۲۳

115 ۔ سورۂ لقمان، آیت ۱۴

116 ۔ سورۂ احقاف، آیت ۱۵

117 ۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۴۱

118 ۔ سورۂ رعد، آیت ۲۱

119 ۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۷۹

120 ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۷۸

121 ۔ سورۂ انفال، آیت ۶۰

122 ۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۳۵

123 ۔ سورۂ مطففین، آیت ۱۔۴

124 ۔ سورۂ مائدہ، آیت ۹۱

125 ۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۹

126 ۔ سورۂ ممتحنہ، آیت ۱۲

127 ۔ سورۂ مائدہ، آیت ۳۸